دین کامل

الاسلام

کی مختصر تصویر

از: مولانا سید محمد میاں صاحب
• شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ اسلامیہ دہلی •

کتابستان
قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۶

ھُوالحق

دین کامل
الاسلام
کی مختصر تصویر

قرآن وحدیث کے آئینہ میں

مرتبہ

الحاج الحافظ مولانا سید محمد میاں صاحب
شیخ الحدیث ومفتی مدرسہ امینیہ اسلامیہ دہلی

ناشر
کتابستان، قاسم جان اسٹریٹ، دہلی

تعارف

زیر نظر کتاب تکمیل ہے اس خواہش کی جس کا اظہار اب سے چند سال پہلے جنوبی افریقہ کے ایک مخیر جناب حاجی یوسف ابراہیم منتی صاحب نے کیا تھا کہ مختلف اخلاقی و معاشرتی مسائل پر اسلام کی رہنمائی کے لیے قرآنی آیات اور احادیث کا ایک ایسا مختصر مگر جامع مجموعہ مرتب کر دیا جائے جو علم و سائنس کی مادی ترقیات مگر روحانی اور اخلاقی روشنی سے محروم اس دور میں ایک مشعلِ راہ بن سکے اور ساتھ ہی اس کی افادیت کا دائرہ وسیع کرنے کے لئے اس کا انگریزی میں بھی ترجمہ شائع کیا جائے آں موصوف نے اس خواہش کا اظہار کر کے اس کام کی بنیاد ہی نہیں ڈالی بلکہ مالی تعاون بھی کیا جس سے کتابت و ترجمہ کے ابتدائی مراحل طے ہو سکے۔ طباعت کے لئے ان کے ہی ہموطن جناب مولانا محمد اسمٰعیل نانا صاحب، ناظم جمعیۃ علماء ٹرانسوال، جنوبی افریقہ نے پوری ذمہ داری لی اور الحمدللہ اب یہ کتاب اردو اور انگریزی میں شائع کی جا رہی ہے۔

کتاب کی افادیت اور جامعیت کا اندازہ فہرست مضامین پر ایک نظر ڈالنے سے ہو سکتا ہے۔ کوشش یہ کی گئی ہے کہ مختلف عناوین کے تحت پہلے ایک دو آیتوں کا ترجمہ پھر اس کے بعد اسی مفہوم پر احادیث پیش کی جائیں۔ آیات و احادیث کا ترجمہ لفظی نہیں ہے بلکہ ان کا مفہوم واضح کرنے کے لئے آسان اور عام فہم زبان استعمال کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کوشش کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور معاونین حضرات کو دینی اور دنیوی ترقی اور ان کی خواہشات کی تکمیل فرمائے۔ آمین

فہرست مضامین

دینِ کامل "الاسلام" کی مختصر تصویر

قرآن وحدیث کے آئینہ میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دنیاء انسانیت میں دین ومذہب، تہذیب واخلاق کا بنیادی اور آخری مقصد یہ ہے کہ انسان نیک ہوجائے۔ کوئی بھی صاحبِ عقل ودانش ہو، کسی بھی ملک یا کسی بھی نسل کا ہو، نوعِ انسانی کے لئے اس کی دانشمندانہ، خیراندیشانہ تمنّا یہ ہوگی اور یہی اس کی آخری تمنّا ہوگی کہ عالمِ انسانیت کے تمام افراد نیک ہوں۔ مگر نیکی کیا ہے اور نیک ہونے کا کیا مطلب ہے یہ بات تحقیق طلب ہے۔ اس مضمون کا موضوع یہی ہے کہ نیکی کی حقیقت بیان کی جائے، تاکہ اللہ کے بندے حقیقی طور پر نیک کردار بن سکیں۔ واللہ الموفق۔

نیکی کیا ہے؟

سورۂ بقرہ کی آیت ۱۷۷ کا ترجمہ پڑھئے۔ اس میں نیکی کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ (ترجمہ) ــــــ نیکی اور بھلائی یہ نہیں ہے کہ (عبادت کے وقت) تم اپنے منھ پورب کی طرف پھیر لو یا پچھم کی طرف۔ نیکی اور بھلائی کی راہ تو ان

کی راہ ہے جو اللہ پر، آخرت کے دن پر، فرشتوں پر، آسمانی کتابوں پر اور خدا کے تمام نبیوں پر ایمان لاتے ہیں۔

اللہ سے محبت کی راہ میں اپنا مال رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سائلوں کو دیتے ہیں اور گردنوں کے چھڑانے میں خرچ کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، جب قول و قرار کر لیتے ہیں تو اُسے پورا کرتے ہیں (زبان کے سچے بات کے پکے ہوتے ہیں) تنگی اور مصیبت کی گھڑی ہو یا خوف و ہراس کا وقت، ہر حال میں صبر کرنے والے (مضبوطی سے جمے رہنے والے) ہوتے ہیں۔

یہی ہیں وہ جو نیکی کے دعوے میں سچے ہیں اور یہی ہیں متقی پرہیزگار۔

(سورہ ۲ بقرہ آیت ۱۷۷ ع ۲۱)

عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور کسی کو بھی اس کا شریک نہ بناؤ۔ ماں باپ کے ساتھ، قرابت داروں کے ساتھ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ، پڑوسیوں کے ساتھ وہ قرابت والے ہوں یا اجنبی جن سے کوئی رشتہ نہ ہو۔ (نیز) پاس کے اٹھنے بیٹھنے والوں کے ساتھ اور ان کے ساتھ جو مسافر ہوں، ان غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ جن کے تم مالک ہو، جو تمہارے قبضہ میں ہوں، احسان اور اچھا سلوک کرتے رہو۔

اللہ تعالےٰ ان کو دوست نہیں رکھتا جو اترانے والے، ڈینگیں مارنے والے ہیں، جو خود بھی بخیلی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کرنا سکھاتے ہیں۔ اور جو کچھ خدا نے اپنے فضل سے دے رکھا ہے اُسے خرچ کرنے (کے بجائے) چھپا کر رکھتے ہیں۔ یاد رکھو ان لوگوں کے لئے جو ہماری نعمتوں کی ناشکری کرتے

ہیں، ہم نے ان کے لئے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

(سورہ ۴ النساء آیت ۳۶ ، ۲ ع ۷)

ان آیتوں میں مندرجہ ذیل باتوں کی ہدایت کی گئی ہے اور انھیں کو نیکی فرمایا گیا ہے۔ انھیں کے مجموعہ کو اسلامی تہذیب کہا جاتا ہے۔

(۱) اللہ پر، قیامت کے دن پر، فرشتوں پر، کتاب پر اور نبیوں پر ایمان لانا

(۲) مال کی محبت کے باوجود محبوب مال کو راہ خدا میں خرچ کرنا یعنی (الف) رشتہ داروں (ب) یتیموں، مسکینوں، راہ گیروں اور سائلوں کو خدا کے لئے دینا۔ (ج) گردنوں کے چھڑانے میں خرچ کرنا۔ (۳) نماز قائم کرنا (۴) زکوٰۃ دینا۔ (۵) وعدوں اور معاہدوں کو پورا کرنا۔ (۶) ہر حالت میں صبر کرنا (برداشت کرنا اور مضبوطی سے جمے رہنا) (۷) (الف) ماں، باپ اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا (ب) پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک، وہ اجنبی ہوں یا رشتہ دار اور ہم مذہب۔ (ج) دوست احباب، جان پہچان کے لوگوں کے ساتھ، مسافروں اور راہ گیروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا (حسب ضرورت ان کی امداد کرنا)

یہ اسلامی اخلاق ہیں۔ قرآن پاک میں ان کی بار بار تاکید فرمائی گئی ہے۔ آنحضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قسمیں اور نوعیتیں اور ہر ایک کی فضیلتیں بیان کی ہیں۔ ان سب کی تفصیل کے لئے ہزاروں صفحات درکار ہیں۔ ان کے مطالعہ کے لئے بہت فرصت چاہیئے۔ مگر اتنی فرصت ہر ایک کو میسر نہیں آسکتی۔ یہاں ان کا لب لباب اختصار کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے جو عمل کرنے والے کے لئے انشاءاللہ کافی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

اللہ پر ایمان

وجودِ برحق۔ توحید۔ ذات وصفات

(۱)

وجودِ باری تعالیٰ عزّ اسمہٗ

بجلی کا ایک قمقمہ دیکھتے ہو تو یقین کر لیتے ہو کہ اس کا بنانے والا کوئی ہے۔ کیا یہ انصاف ہوگا کہ سورج اور چاند، جگمگاتے ہوئے تارے، خاموش فضا، طوفاں بداماں سمندر، اونچے پہاڑ اور صبح وشام کے حسین مناظر دیکھو اور شک وشبہ میں پڑجاؤ کہ کیا ان کا کوئی خالق، کوئی پیدا کرنے والا اور کوئی بنانے والا ہے؟

(۲)

تاج محل کو دیکھتے ہو تو بے اختیار اس کے بنانے والوں کی تعریف کرنے لگتے ہو۔ تمھارا حسنِ ذوق، ان کی فن دانی، انوکھی مہارت اور اعلیٰ قابلیت کی داد دیتا ہے۔ تحسین وآفریں کی صدائیں بلند کرتا ہے۔ تو نظام شمسی کا یہ تاج محل جو تمھارے سامنے ہے اور ہر طرف سے تمھیں گھیرے ہوئے ہے کیا اس کا بنانے والا اس کا مستحق نہیں ہے کہ تم اس کی حمد وثنا کرو۔ اس کی تعظیم وتقدس کی تسبیح پڑھو۔

(۳)

اس سے بڑھ کر نادان اور ہٹ دھرم یا مردہ دل کون ہو سکتا ہے جو اس تاج محل بنانے والے کو کہے کہ وہ علم ودانش سے بے بہرہ ہے۔ نہ وہ علیم وخبیر

ہے نہ سمیع و بصیر۔ نہ اس میں حیات ہے نہ اختیار و ارادہ۔

(۴)

سب سے بڑا رہنما اور لیڈر، بڑے سے بڑا فلسفی، زیادہ سے زیادہ کامیاب بیرسٹر اور لائیر اگر ان کھلی ہوئی باتوں کو دھیان میں نہیں لاتا تو کیا اس کا ضمیر روشن ہے یا اس کے دل پر مہر لگ گئی ہے، آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے، کان بہرے ہو گئے ہیں۔ غور کرو اور فیصلہ کرو۔

توحید

اگر اس بہترین کارگاہِ روز و شب اور بہترین کارخانۂ موت و حیات کا خالق اور صانع سب سے زیادہ باکمال ہے تو وہ ایک ہی ہوگا اور بے نظیر و بے مثال ہوگا۔ کیوں کہ جس کے نظیر و ہمسر ہوں وہ سب سے زیادہ باکمال نہیں ہو سکتا۔ سب سے اہم، سب سے بالا وہی ہے جو اپنی مثال نہ رکھتا ہو، جو انوکھا ہو، جو اکیلا اور نرالا ہو، جس کا کوئی ہم جنس نہ ہو، جس کا کوئی والد نہ ہو اور نہ وہ مولود ہو۔ اس کے کوئی بیوی بھی نہ ہوگی، کیوں کہ نہ وہ کسی کی ذات کا ہے اور نہ کوئی اس کی ذات کا۔ بے میل اور بے جوڑ بیوی سے شوہر کی عزت نہیں بڑھتی بلکہ اس کے لئے ذلت اور بدنامی کا باعث ہوتی ہے۔

اقتدار اور شرکت ان دونوں میں تضاد ہے۔ اقتدار کے لئے شرکت توہین ہے۔ اقتدار کا مطمحِ نظر ہوتا ہے اَنَا وَلَا غَیْرِیْ. یا ہمچوں من دیگرے نیست۔ اور شرکت ہر قدم پر اس کی تردید کرتی ہے۔

کہتے ہیں جمہوریہ میں اقتدار مشترک ہوتا ہے۔ لیکن اس اشتراک کے باوجود زمام اختیار صرف ایک کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ صدر یا وزیر اعظم۔ نہ وزیر اعظم دو

ہوتے ہیں نہ صدر جمہوریہ ایک سے زائد۔ جمہوریہ ہو یا ملوکیت اور شخصی حکومت، اس میں پارلیمنٹ، سینٹ یا کیبنٹ اس لئے ہوتی ہے کہ قائد قادر مطلق نہیں ہوتا۔ اس کو تعاون کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن اگر وہ تعاون سے مستغنی ہو جائے تو ڈکٹیٹر شپ کے علاوہ اور کوئی قبا اپنے لئے موزوں نہیں سمجھتا[۱] اور اس کے دماغ کا غبار ہوتا ہے..... اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی

---

[۱] یورپ کی مایۂ ناز حکومت جمہوریہ روما۔ جب اس کی دیواریں بوسیدہ ہو گئیں تو سہارا دینے کے لئے دو ستون کھڑے کئے گئے۔ یہ دو شہنشاہ تھے جن کو اگسٹس کا لقب دیا گیا۔ ایک کا مستقر میلان (اطالیہ) قرار دیا گیا۔ دوسرے کا مستقر نیکومیڈیا (ایشیائے کوچک)۔ ہر ایک شہنشاہ کا ایک ایک شریک اور مددگار بنایا گیا جسے "سیزر" کہتے تھے۔ جو شہنشاہ کی وفات کے بعد اس کا جانشین ہوتا۔ گویا اس طور پر سلطنت روما میں وقت واحد کے اندر چار شہنشاہ اور چار شاہی دربار ہونے لگے۔ پورے ملک کا فوجی اور سول نظام انہی بنیادوں پر قائم کیا گیا۔

(تاریخ یورپ) از۔ اے۔ جے گرانٹ۔ ترجمہ از مولوی حمید احمد انصاری صفحہ ۱۹۷

مگر نتیجہ کیا ہوا۔ تاریخ یورپ کا مستند مصنف اے جے گرانٹ لکھتا ہے "ڈایوکلیشین[۱] نے جو نظام[۲] سلطنت قائم کیا تھا، وہ اس کی زندگی ہی میں متزلزل ہونے لگا تھا۔ انتظامی معاملات کو اس نے جس ڈھرے پر لگا دیا تھا اسی پر چلتے رہے۔ مگر ایک ہی سلطنت میں چار بادشاہوں کا وقت واحد میں ہونا ناممکن العمل ثابت ہوا۔ کیونکہ یہ ایسی بات تھی جس کا کسی زمانہ میں فروغ پانا مشکل تھا۔ اور پھر ایسے پُر آشوب زمانے میں جبکہ باہمی اعتماد مفقود تھا۔ اس پودے کا سرسبز ہونا سخت دشوار تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنت روما میں پھر ابتری پھیل گئی اور مدعیان تاج و تخت میں سخت

مجاہدہ و مقابلہ کے بعد سلطنت پھر ایک شخص کے زیر نگیں ہوئی۔ یہ شخص کانس ٹن ٹائن (قسطنطین) تھا۔ جس کا باپ اگسٹس کے عہدے پر ممتاز تھا۔
(تاریخ یورپ از اے۔ جے۔ گرانٹ۔ ترجمہ مولوی حمید احمد صاحب انصاری)

تشریحات

(۱) کارس کے مرنے کے بعد سلطنت اس کے دو لڑکوں میں تقسیم ہو گئی کاری نوس اور نومیریان۔ فوج نے ۲۸۴ء میں نومیریان کو ختم کرکے "ڈائیوک لیشن" کو امپراطور منتخب کیا۔ ۲۸۵ء میں ڈائیوک لیشن نے مقتول کے بھائی ــــ "کاری نوس" سے مقابلہ کیا۔ کاری نوس کو اس کے افسروں نے قتل کر دیا تو ڈائیوک لیشن بلا شرکت غیرے سلطنت روما کا امپراطور یا شہنشاہ ہو گیا۔ (قسطنطین اعظم ص۵) ــــ ڈائیوک لیشن نہ صرف بت پرست تھا بلکہ بت پرستی کا بہت بڑا حامی تھا۔ عیسائی اگرچہ موحد نہیں تھے، تثلیث پرست تھے مگر ان معبودوں اور دیوتاؤں کو نہیں مانتے تھے جن کو ڈائیوک لیشن اور جمہوریۂ روما کے عام باشندے مانتے تھے۔ عیسائی ان معبودوں کی توہین کیا کرتے تھے جس کے جواب میں روما کے ارباب اقتدار بت پرست عیسائیوں پر طرح طرح کے مظالم کیا کرتے تھے۔ بسا اوقات یہ مظالم وحشیانہ ہوتے تھے۔ مثلاً یہ کہ آنکھیں نکلوا دیں اور پھر آگ میں جھونک دیا یا کتوں سے پھڑوا دیا۔ ڈائیوک لیشن ان کا سرپرست تھا۔ اس کے باوجود تثلیث پرستانہ عیسائیت ترقی کرتی رہی۔ تو ڈائیوک لیشن حکومت سے دستبردار ہو کر گوشہ نشین ہو گیا۔ اس کی علیحدگی کے بعد اس کے قائم کردہ اصول پر چار بادشاہ بنائے گئے۔ گیلی ریوس لائی سی نیوس میک سیمین اور قسطنطین۔ مگر ان بادشاہوں نے ابھی پوری طرح نظام سنبھالا بھی نہ تھا کہ جنگ شروع ہو گئی۔ بہت سخت قتل و قتال اور خوں ریزی کے بعد نتیجہ یہ ہوا کہ قسطنطین نے تینوں حریفوں کو یکے بعد دیگرے ختم کر دیا اور پورے روما کا شہنشاہ ہو گیا۔ جس کا خطاب قسطنطین اعظم ہوا۔
(تاریخ یورپ از اے جے گرانٹ۔ تاریخ روما وغیرہ)

(۲) "ڈایوکلی شین" کو حکومت کرتے ہوئے تھوڑا ہی زمانہ ہوا تھا کہ نظم و نسق سلطنت اور اس کی ذمہ داریوں کو بٹانے کے لئے اس کو برابر کے سہیم و شریک کی ضرورت ہوئی۔ چنانچہ اپنے نائب میک سیمیان کو فوراً خلعت شاہی پہنا کر قیصر کا لقب دیا اور ایک سال کے بعد اغسطس کے جملہ اختیارات و مراتب مثل اپنے عطا کر دئے۔ اس طریقے سے ایک ہی سلطنت میں دو دو ریاستیں پیدا کر دیں۔ ہر ایک ریاست کے عساکر و اہل کار و قیصر جدا جدا ہو گئے۔ لیکن جس قدر احکام و فرامین جاری ہوتے وہ دونوں اغسطس مل کر اپنے نام سے جاری کرتے تھے۔ جب انتظام حکومت میں زیادہ تقسیم کی ضرورت ہوئی تو اس شاہی شراکت کے اصول میں اور توسیع کر دی گئی۔ اور یہ قرار پایا کہ ہر ایک اغسطس کے ساتھ مددگار کے طور پر ایک ایک قیصر مقرر کیا جائے۔ چنانچہ اغسطس ڈایوکلی شین نے گیلی ریوس کو اور اغسطس میک سیمیان نے قسطنطیوس کو اپنا اپنا قیصر مقرر کیا۔ اور ہر ایک قیصر نے اپنے اپنے اغسطس کی لڑکی سے عقد کیا اور یہ امید رکھی کہ اپنے امیر کے مرنے پر وہ خود اغسطس کے درجہ کو پہونچ جائے گا۔

(ص۶ قسطنطین اعظم از جان۔ بی فرتھ۔ ترجمہ از محمد عنایت اللہ بی۔ اے)

(۳) نظام سلطنت کے علاوہ یہ پہلا بادشاہ تھا جس نے مشرقی دربار کے آداب اور طریقوں کو روما میں رواج دیا۔ "ڈایوکلی شین" نے اپنے سر پر تاج شاہی رکھا اور اپنے آپ کو خداوند اور خدا کہلوایا۔ خواجہ سرا اور نقیب اس کے دربار میں حاضر رہا کرتے تھے۔ اور اس کی حضوری میں ہر شخص یہاں تک کہ وزراء کو بھی سر بسجود ہونا پڑتا تھا۔ ان رسوم کی ایجاد کا مقصد یہ تھا کہ بادشاہ کا احترام مثل دیوتا کے ہونے لگے تاکہ سپاہی اسے دیوتا سمجھیں اور بلا چون و چرا اس کے احکام بجالاتے رہیں۔ دربار کے جو آداب اس نے مقرر کئے تھے بلا کسی تبدیلی کے ایک ہزار سال تک قائم رہے۔

(تاریخ یورپ، از اے۔ جے۔ گرانٹ۔)

صفاتِ خداوندی

(الف)

ہم زندہ ہیں، موجود ہیں، مگر نہ زندگی اپنی، نہ وجود اپنا، جو کچھ ہے وہ مستعار ہے۔ کسی کا دیا ہوا ہے، وہ جب چاہے گا لے لے گا۔ اصل وہ ہے جس کا وجود خود اپنا ہے کسی کا عطا کردہ نہیں ہے۔ اس کے وجود کو زوال بھی نہیں، کیوں کہ مانگا ہوا نہیں بلکہ اپنا ہے، اس لئے لازوال ہے۔ جب اس کو زوال نہیں تو وہ لقا ہی لقا ہے، یعنی ازلی و ابدی ہے، وہ مرکزِ وجود ہے۔ فنا کا وہاں نام نہیں۔

جب وہ مرکزِ وجود ہے تو ہر اثباتی صفت اس کی اپنی صفت ہے لہٰذا حیات، قدرت، علم، سمع، بصر، کلام اور ارادہ جیسی اثباتی صفات اس کی اپنی صفات ہیں۔ یہ سمجھو کہ ذاتِ حق آفتاب ہے اور یہ صفات نورِ آفتاب۔ آفتاب ازلی ابدی ہے تو نورِ آفتاب بھی ازلی ابدی ہے کیونکہ آفتاب کے لئے نور لازم ہے۔ بے نور آفتاب آفتاب نہیں ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ نور کو نہ عینِ آفتاب کہہ سکتے ہیں نہ غیرِ آفتاب۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ کی صفات نہ عین ہیں نہ غیر۔

(ب)

اس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اسی لئے وہ نظر نہیں آتا۔ نورِ آفتاب کی ایک انتہا ہے مگر ہم اس کو پوری طرح نہیں دیکھ سکتے۔ ہماری نگاہ میں یہ طاقت نہیں کہ ہم آنکھ بھر کر آفتاب کو دیکھ سکیں یا دیکھتے رہیں۔ پس ہم اس کو کس طرح دیکھ سکتے ہیں جس کے نور کی کوئی انتہا ہی نہ ہو۔ وہ لامحالہ

ظاہر ہے کیوں کہ وہ آفتاب سے بھی زیادہ ظاہر ہے اور اتنا زیادہ ظاہر ہے کہ اس کے ظہور اور اس کے نور کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ لاچاری اور کمزوری کا پردہ ہماری نگاہوں پر ہے، اس پر کوئی پردہ نہیں۔ وہ بے حجاب ہوتے ہوئے بھی باطن ہے اس لئے کہ وہ ہمیں نظر نہیں آتا۔ مگر قصور کس کا ہے؟ اور نقص کہاں ہے؟

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم　　چشمہ آفتاب را چہ گناہ

(ج)

اس کا نور بے انتہا ہے تو اسکی لطافت بھی بے انتہا ہو گی۔ لطافت میں طاقت ہے۔ ایٹم میں لطافت زیادہ ہے کہ نظر نہیں آتا۔ تو لامحالہ اس میں طاقت بھی بہت زیادہ ہے۔ پس اس کی طاقت کی کیا انتہا ہو سکتی ہے جس کی لطافت کی کوئی انتہا نہ ہو۔

(د)

کثافت کے لئے رکاوٹ ہوتی ہے، لطافت کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں۔ اس کا نفوذ ہر جگہ ہو سکتا ہے۔ وہ پابند مکانیت نہیں ہوتی اس لئے ہر چیز سے باخبر ہو سکتی ہے۔ پس وہ لطیف ہے لہذا خبیر بھی ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ

(سورہ ۶ الانعام۔ آیت ۱۰۳)

نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ یہ ممکن نہیں کہ ان مادی نگاہوں کو اس کا انکشاف میسر آجائے یعنی اس کی حدود دریافت کر لیں اور اس کی تہ تک پہونچ جائیں اور حقیقت پالیں۔ اور وہ نگاہوں کا ادراک رکھتا ہے اس کو ان کا پورا انکشاف حاصل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ مکمل لطافت والا ہے اور ہر بات کی خبر رکھنے والا ہے۔

(۵)

نظامِ شمسی ہم نہیں بنا سکتے، کیوں کہ ہم وہی چیز بنا سکتے ہیں جس کا تصور ہمارے دماغ میں ہو، جو کسی مشاہدہ کی بنا پر پیدا ہوا ہو۔ پھر اس تصور کو نقشہ و خاکہ کی صورت دی جا چکی ہو۔ اس کے اوزار و آلات اور اس کا مٹیریل اور مادہ فراہم ہو چکا ہو۔ نظامِ شمسی یا اس جیسا کوئی بھی انوکھا نظام جس کا کوئی تصوّر پہلے سے نہ ہو، صرف وہ بنا سکتا ہے جو خود انوکھا ہو، جس کی ہر بات انوکھی ہو۔ جو نہ نقشہ کا محتاج ہو، نہ مشین اور کارخانہ کا۔ جس کا حکم سب کچھ ہو۔ وہ اپنے حکم سے ہی نیست کو ہست، معدوم کو موجود کر دے۔ ایسی ہستی ہمارے مشاہدہ میں نہیں آسکتی۔ مگر یقین رکھو ایسی ہستی ہے اور وہ خدا کی ہستی ہے۔ وہ یقیناً ہے مگر ہمارے تصوّر سے بالا۔ کیونکہ وہ بے مثل ہے، بے نظیر ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۔

(سورہ ۴۲ الشوریٰ۔ آیت ۱۱)

اپنا انجام

موجودہ گردوپیش۔ عمل۔ تاثیرِ عمل

اخلاق کا وجود اور تاثیر

(الف)

ہماری آنکھیں کھلی ہوئی ہیں۔ ہم ہر چیز دیکھ رہے ہیں۔ مگر نہ صرف ہمارا بلکہ ہر ایک انسان کا یقین یہ بھی ہے کہ بہت سی بلکہ بے شمار چیزیں وہ ہیں جو ہمارے سامنے ہیں۔ ہمارے پاس ہیں۔ ہمیں گھیرے ہوئے ہیں مگر نظر نہیں آتیں۔ اسی یقین نے ہمیں خوردبین کا شوق دلایا اور اس کی تصدیق کردی کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ خوردبین ایجاد ہوئی۔ اس سے کام لیا گیا۔ یہاں تک کہ اس سے کام لینے کی جو آخری حد تھی وہ ختم ہوگئی۔ مگر اس یقین میں پھر بھی کوئی فرق نہیں آیا کہ ابھی اور بھی بے شمار حقیقتیں ہیں جو نظر نہیں آتیں۔ یہ ہمارے اندر بھی ہیں اور باہر بھی۔ ہمارے بدن سے خول کی طرح لپٹی ہوئی ہیں۔ اور ہمارے بدن سے الگ بھی ہیں۔ ان کے متعلق ہماری تحقیق جاری ہے اور نئے نئے انکشافات ہو رہے ہیں۔

(ب)

کون جانتا تھا کہ ہماری زبان سے جو لفظ نکلتے ہیں ان کا وجود ہے۔

اور یہ باقی رہتے ہیں۔ کسی کے ہاتھ چوم لئے، کسی کی آمد پر آپ استقبال کے لئے کھڑے ہو گئے۔ کسی کے طمانچہ مار دیا۔ یہ سب ہاتھ پاؤں یا بدن کی حرکتیں ہیں۔ ختم ہو گئیں۔ ان کا کیا وجود؟

لیکن ریڈیو اور ٹیلی ویژن نے ہمیں صرف بتایا نہیں بلکہ دکھا دیا کہ جو لفظ بھی زبان سے نکلتا ہے، وہ باقی رہتا ہے۔ ہر ایک عمل کا وجود ہے، اور اس وجود کو بقا ہے۔

(ج)

کیا اس وجود کی کوئی تاثیر بھی ہے؟ آپ نے کسی کی تعریف کی۔ کسی کو گالی دی، کسی کے ہاتھ چومے۔ کسی کے لئے کھڑے ہوئے۔ کسی کے طمانچہ مارا۔ کیا ان کاموں کی تاثیر نہیں ہے؟ وہ تاثیر ختم ہو جاتی ہے۔ یا جس طرح عمل کا وجود باقی رہتا ہے، وہ تاثیر بھی باقی رہتی ہے۔ دس سال پہلے کسی نے ہماری تعریف کی تھی۔ پندرہ سال پہلے کسی نے گالی دی تھی۔ آج تک تعریف کرنے والے کی محبت اور گالی دینے والے سے نفرت ہمارے دل میں باقی ہے۔ ہاتھ چومنے والے کی محبت کا بیج جو بیس سال پہلے یا طمانچہ مارنے سے نفرت کا کڑوا پودا جو ہمارے ذہن کی زمین میں پچیس سال پہلے لگ گیا تھا وہ فنا نہیں ہوا۔ بلکہ اس جیسی باتیں کچھ اور ہوتی رہیں۔ تو یہ بیج پودا، پھر درخت بن گیا۔ اس پر اسی جیسے پھل بھی آنے لگے۔ ہاں اگر اس جیسی چیزوں سے اس کی آبیاری نہیں ہوئی یا برائی کرنے والے نے کوئی بھلائی کر دی تو یہ پودا مرجھا بھی جاتا ہے اور ختم بھی ہو جاتا ہے۔

(د)

مختصر یہ کہ عمل ۔عمل کا وجود اور اس کی تاثیر صرف اعتقادی باتیں نہیں ہیں، بلکہ حقیقتیں ہیں۔ جیسے ہی ہماری آنکھ کھلتی ہے، آنکھ کی پتلی گھومتی ہے۔ تو ایک سکنڈ نہیں بلکہ سیکنڈ کے بھی بہت تھوڑے سے لمحہ میں وہ چاند سورج اور ان تاروں تک پہنچ جاتی ہے جن تک ہم سینکڑوں سال کی مسافت کے بعد بھی نہیں پہونچ سکتے۔ اگر نظر و نگاہ کے اس عمل کا انکار کیا جا سکتا ہے تو عمل وجود عمل اور اس کی تاثیر کا بھی انکار کیا جا سکتا ہے اور اس انکار کو معقول قرار دیا جا سکتا ہے۔

(ھ)

رحم وکرم، انصاف، شرم وحیا، سنجیدگی، بردباری، عقلمندی، حق پسندی سخاوت، فیاضی اور اُن کے مقابلہ میں ظلم، جبر، قہر، کرختگی، تندمزاجی، ضد، ہٹ، بخل، حرص، طمع وغیرہ یہ سب اچھے اور برے اخلاق ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا جسمِ انسان میں ان کا وجود ہے اور ان کے اثرات ہیں یا محض تصورات اور تخیلات ہیں ــــ حقیقت میں نہ ان کا وجود ہے نہ تاثیر مگر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ سودا، صفرا، بلغم وغیرہ جن کو مزاج کہا جاتا ہے وہ جسم انسان میں ہوتے ہیں، تو ان کے اثرات نمایاں ہوتے ہیں۔ ان کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ ان کے اثرات سے انسان کا مزاج معلوم کیا جاتا ہے۔ کہ وہ صفراوی ہے یا دموی یا سوداوی۔ انہیں اثرات سے صحت اور بیماریوں کی تشخیص کی جاتی ہے تو کیا ایسا نہیں ہوتا کہ آپ چہرے پر نظر ڈالتے ہیں تو اس کے رنگ، رنگ کے گہرے اور ہلکے ہونے سے چہرے کی ساخت اس کی کشادگی، بشاشت یا انقباض

آنکھوں، بھوؤں اور ناک کی مختلف صورتوں، پیشانی کی دھاریوں اور چہرے کی جھرّیوں اور بہت سے ماہرین ہتھیلی اور انگلیوں کی دھاریوں سے بھی اخلاق اور نفسیات کا اندازہ کر لیتے ہیں کہ یہ شخص نرم دل، انصاف پسند، فیاض طبع، دانش مند، سنجیدہ اور بردبار ہے یا اس کے برعکس سخت دل، ہٹ دھرم، بخیل، طامع اور حریص ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب بلغم وغیرہ مزاجوں کے وجود کو حقیقت تسلیم کرتے ہیں، ان کے اثرات کو مانتے ہیں۔ ان کا انکار نہیں کر سکتے۔ ان کی خرابیوں سے بچنے اور ان کو درست رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو کیا وجہ ہے کہ ہم اچھے برے اخلاق کی تاثیرات کو تسلیم نہ کریں اور ان کو وہم، خیال خام اور بے معنی تخیّل اور عوام کا جاہلانہ عقیدہ تصوّر کریں۔ ان کی اصلاح اور ترقی کی کوشش نہ کریں۔

اگر مزاج کی خرابی کا نتیجہ ہمارے سامنے آتا ہے کہ ہم بیمار پڑ جاتے ہیں یا صحت مند ہو جاتے ہیں تو کیا اخلاق کے نتائج نہیں ہوں گے اور وہ اس وقت ہمارے سامنے نہیں آئیں گے جب اخلاق کے نتائج ہی ہمارے سامنے ہوں گے اور انہیں کے ماحول میں ہم گھرے ہوئے ہوں گے

(۹)

یہ اچھے بُرے اخلاق کا مالک، یہ عمل کرنیوالا شخص یعنی انسان کیا ہے، اس کی زندگی کیا ہے، موت کیا ہے، بچپن، جوانی، بڑھاپا کیا ہے مرنے پر انسان ختم ہو جاتا ہے یا صرف قالب بدلتا ہے۔ زید، زید ہی رہا۔ بچپن، جوانی، بڑھاپے چولے تھے۔ بدلتے رہے مگر زید جو حقیقت

ہے وہ نہیں بدلا۔ اس کا جوہر بدستور رہا۔ صرف چولا بدلتا رہا۔ اسی طرح موت صرف چولہ بدلنے کا نام ہے۔ یا ہست سے نیست اور وجود کے بجائے سراسر فنا ہو جانے کو موت کہتے ہیں۔ گویا سطح دریا پر ایک بلبلا تھا، ہوا کا جھونکا چلا فنا ہو گیا۔

مگر بلبلے میں عمل کہاں؟ فکر و فہم اور ترقی و ارتقاء کا جذبہ کہاں؟ کوئی بھی مذہب انسان کو بلبلا اور موت کو فنا نہیں کہتا۔ بلکہ مذہب کا مدار ہی اس پر ہے کہ موت کو فنا نہ مانا جائے بلکہ انسان کو ایک دائمی حقیقت مانا جائے جو موت پر ختم نہیں ہوتی بلکہ ایک لازوال زندگی اختیار کرتی ہے۔

(۳)

آپ اگر سلسلۂ ارتقاء کے قائل ہیں تو پیچھے لوٹئے اور زمانہ ماضی کے اس بعید نقطہ کا تصور کیجیے۔ جب بقول اہلِ ارتقاء زمین کا یہ کرہ سورج کے آتشیں گولے سے الگ ہوا تھا۔ نہیں معلوم کتنی مدت اس کے سرد اور معتدل ہونے میں گذری۔ جب یہ اس قابل ہوا کہ زندگی کے عنصر اس میں نشوو نما پا سکیں اس کے بعد وہ وقت آیا جب اس کی سطح پر نشوو نما کی سب سے پہلی داغ بیل پڑی۔ پھر نہیں معلوم کتنی مدت کے بعد زندگی کا وہ سب سے پہلا بیج وجود میں آسکا جسے پروٹو پلازم (PROTO PLASAM) کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پھر حیات عنصری کے نشوو نما کا دور شروع ہوا۔ اور نہیں معلوم کتنی مدت اس پر گذر گئی کہ اس دور نے بسیط سے مرکب تک اور ادنیٰ سے اعلیٰ درجہ

تک ترقی کی منزلیں طے کیں۔ یہاں تک کہ حیوانات کی ابتدائی کڑیاں ظہور میں آئیں اور پھر لاکھوں برس اس میں بھی گذر گئے کہ یہ سلسلہ ارتقار وجود انسانی کی سطح تک پہونچے۔ پھر انسان کے جسمانی ظہور کے بعد اس کے ذہنی ارتقار کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور ایک طویل مدت اس پر گذر گئی۔ بالآخر ہزاروں برس کے دماغی اور ذہنی ارتقا کے بعد وہ انسان ظہور پذیر ہو سکا جو کرہ ارض کے تاریخی عہد کا متمدن اور عقیل انسان ہے۔ گویا زمین کی پیدائش سے لیکر ترقی یافتہ انسان کی تکمیل تک جو کچھ گذر چکا ہے اور جو کچھ بنتا سنورتا رہا ہے۔ وہ تمام تر انسان کی پیدائش ہی کی سرگذشت ہے۔ سوال یہ ہے کہ جس وجود کی پیدائش کے لئے فطرت نے اس درجہ اہتمام کیا ہے۔ کیا یہ سب کچھ صرف اس لئے تھا کہ وہ پیدا ہو۔ کھائے، پیئے، اولاد پیدا کرے اور مر کر فنا ہو جائے ——

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ

(ح)

قدرتی طور پر یہاں ایک دوسرا سوال بھی پیدا ہوتا ہے۔ اگر وجود حیوانی اپنے ماضی میں ہمیشہ یکے بعد دیگرے متغیر ہوتا اور ترقی کرتا رہا ہے۔ تو مستقبل میں یہ تغیر و ارتقار کیوں نہ جاری رہے اور اس پر بندش کی مہر کیوں لگ جائے۔

(ط)

یہ عالم —— یہ دنیا جہاں ایک ہی ہے۔جس میں ہم موجود ہیں۔ یا اور بھی عالم ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ نظام شمسی ایک نہیں بلکہ اتنے ہیں کہ ان کا شمار مشکل ہے۔ پرانے لوگ "یشرده ہزار عالم" "اٹھارہ ہزار جہان" کہا کرتے تھے۔ وہ عالم اور جہان یہ نظام شمسی ہیں یا وہ اور جہاں ہیں اور ان کا نظام علیحدہ ہے۔ یہ بہت سے جہاں ایک ہی مادہ سے ہیں یا ان کے مادے الگ الگ ہیں۔ انسان خاکی ہے مگر ایسی بھی مخلوق ہے جس کو ناری کہا جاتا ہے اور ایسی بھی ہے جو نہ ناری ہے نہ خاکی ہے۔ انسان خاکی ہے تو اس کی تحقیق کے تمام آلات بھی خاکی ہیں اس لئے وہ انھیں کا انکشاف کر سکتا ہے جو خاکی ہیں، جو خاکی نہیں ہیں وہ اس کے انکشاف کے دائرہ میں کبھی نہیں آ سکتے، خواہ یہ دائرہ کتنا ہی وسیع کیوں نہ ہو جائے۔

ہر مذہب، ہر فرقہ روح کو مانتا ہے مگر وہ ازلی ابدی ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گی، یا فانی ہے۔ اس کا تعلق خدا کے ساتھ کیا ہے۔ اور انسان کے ساتھ کیا۔ وہ خاکی ہے یا ناری یا ہوائی یا اس کے علاوہ کچھ اور ہے۔ اور اس کا عالم اور جہاں ہمارے موجودہ جہان سے الگ ہے، مگر ایسا تعلق رکھتا ہے جیسے گلاب اور عطر گلاب۔ گویا وہ اس عالم کا جوہر ہے یا وہ نور خدا کا الگ پرتو ہے، جیسے آفتاب کی کرن۔

یہ سب مسائل ایسے ہیں کہ دنیا کے محقق، فلسفی اور دانش ور

ہمیشہ ان پر غور کرتے رہے، الگ الگ نظریات قائم کرتے رہے،
قرآن حکیم نے صرف دو فقروں میں اس پیچیدہ سوال کا جواب دے
دیا ہے۔ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ۔
اے نبی آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے
وہ میرے پروردگار کے حکم سے پیدا ہوئی ہے اور تمھیں علم نہیں
دیا گیا مگر تھوڑا سا (سورہ بنی اسرائیل) مطلب یہ ہے کہ روح نہ ازلی
ہے نہ ابدی وہ قدیم نہیں پیدا شدہ ہے۔ اس کی پیدائش تمھارے
مادہ سے نہیں بلکہ الگ مادہ سے ہوئی ہے۔ جس کے لئے خاص طور
پر حکم الٰہی کارفرما ہوا، تم اس کی حقیقت نہیں معلوم کر سکتے، کیونکہ تمھارا
علم بہت تھوڑا اور بہت محدود ہے، کیونکہ تمھارا علم صرف اس عالم تک
ہے جس کو عالم انسان یا خاکی عالم کہا جاتا ہے۔ جو عالم اس کے علاوہ
اس سے بالا یا اس سے پست ہو تمھارا پرواز فکر اس تک نہیں پہنچ سکتا۔

(ی)

جب ہمارے عمل کا وجود ہے۔ اس کی تاثیر ہے۔ وہ باقی رہتی
ہے، اخلاق کا بھی وجود ہے۔ اس کی تاثیریں ہیں تو قدرتی طور پر سوال
ہوتا ہے کہ سلسلہ ارتقار جو انسان کے وجود اور اس کے عمل تک جاری
تھا۔ کیا وہ آیندہ بند ہو گیا۔ کیا ان اعمال اور اخلاق کی تاثیرات میں
ارتقار نہیں ہوتا۔ انڈے کے اندر سفید سفید مرطوب چیز ہوتی ہے۔
اس میں نشو و نما ہوتا ہے تو سفیدی زردی ہو جاتی ہے۔ زردی کا
نشو و نما اس کو گوشت ہڈیوں، پروں اور پنجوں کی شکل میں بدل دیتا ہے۔

یہ نشوونما آگے قدم بڑھاتا ہے تو انڈے کے چھلکے کو پھاڑ دیتا ہے اور چوزہ بن کر ایک نئے عالم میں گردش کرنے لگتا ہے۔۔۔تمھیں حیرت نہ ہونی چاہیئے اگر انڈے کی مثال کو سامنے رکھ کر کہا جائے کہ اعمال اور اخلاق انسانی کی تاثیرات نشوونما پاتے ہوئے اور ترقی کرتے کرتے اس حد پر پہونچیں گی کہ نظام شمسی یا جس نظام میں بھی موجود ہیں وہ چھلکے کی طرح پھٹ جائے گا اور انسان ایک نئے عالم میں ظہور پذیر ہوگا، جو اس کے اعمال و اخلاق کی ترقی یافتہ شکل کا عالم ہوگا۔

(ک)

فکر مستقبل انسان کا سب سے پہلا فرض ہے۔ اگر آپ غروب آفتاب سے پہلے رات گزارنے کا انتظام ضروری سمجھتے ہیں، سفر سے پہلے سامان سفر اور جس منزل پر آپ کو پہونچنا ہے، اس منزل کا اتا پتا معلوم کرنا تقاضائے عقل قرار دیتے ہیں۔ تو آپ کا فرض ہے کہ ان سوالات کے جوابات تلاش کریں جن کا تعلق آپ کے مستقبل سے ہے۔ لیکن انسان کی عقل جو مادیات کے گھروندے میں پھنسی ہوئی ہے وہ اس مستقبل کو کیسے معلوم کرسکتی ہے جو اس خاکی مادے سے بالا ہے اور بلند ہے۔ قرآن حکیم نے اسی مستقبل کو "الیوم الآخر پچھلے دن، بعد میں آنے والے دن، سے تعبیر کیا ہے۔ اور اس کو یہ اہمیت دی ہے کہ نیکی کی تعریف کرتے ہوئے ایمان باللہ (اللہ پر ایمان لانے) کے بعد سب سے پہلے اسی کو شمار کرایا ہے۔

(ل)

اچھا وہ خدا جس نے ہماری زندگی کی سدھار، اور ترقی کی چیزیں پیدا کیں۔ اور ہمارے کام میں لگا دیں۔ سانس لینے کے لئے ہوا، گرماہٹ کے لئے آفتاب کی شعاعیں اور تازگی کے لئے پانی۔ رہنے کے لئے زمین اور اڑنے کے لئے آسمانی فضا اور اس طرح کی ہزاروں نعمتیں پیدا کیں جن کا شمار کرنا مشکل ہے۔ جس نے شکم مادر میں بھی ہمارے لئے غذا پیدا کی اور جیسے ہی شکم مادر سے بچہ باہر آیا، اس کی غذا آغوش مادر میں خاص اس جگہ پیدا کر دی جہاں اس کا منھ رہتا تھا اور جبکہ وہ کچھ نہیں جانتا تھا اس انجانی کے وقت میں بھی اس کو یہ بتا دیا کہ وہ کس طرح پستان مادر کو چوسے اور کس طرح اپنا ننھا سا پیٹ بھرے۔

کیا اس نے ہماری اس زندگی کی اصلاح اور درستی کی صورت نہیں بتائی ہوگی، جو حقیقی اور لازوال زندگی ہے۔ وہ رب العلمین جس نے ارتقار کی منزلیں طے کرا کر انسان کو اپنی قدرت کا شاہکار بنایا۔ پھر تخلیق انسان میں یہ عجوبہ کاری کہ معمولی سے بلکہ موہوم سے جرثومہ کو تولید کے مراتب طے کرائے۔ ہر مرحلہ میں اس کی نگرانی اور اس کی مخصوص مہربانی اس کی کارساز و کارفرما رہی۔ ماں کی مامتا کے ظہور میں ابھی چند ماہ تھے کہ اس رب اور پروردگار کی شفقت نے جرثومہ کو خون، پھر گوشت کا ٹکڑا، پھر نمونہ انسان، پھر طفل انسان بنایا۔ پھر اس طفل کے لئے آغوش مادر کو خزانہ محبت، شفقت پدر کو

سائبانِ رحمت کی حیثیت بخشی۔ جب اس کی اس چند روزہ زندگی کے لئے قدرت کی یہ تمام فیاضیاں اور خلق و تدبیر کی یہ تمام کارسازیاں ہیں۔ کیا عقل فیصلہ کر سکتی ہے کہ اس نے مابعد الحیات کی ارتقائی منزلوں کے لئے کوئی انتظام نہ کیا ہوگا۔ جس رب العلمین نے انسان کی پرورش کے لئے انوکھا اور عجیب و غریب نظام قائم کر رکھا ہے کیا ممکن ہے اس نے مستقبل کی فلاح و سعادت کے لئے کوئی نظام کوئی قانون نہ بنایا ہو۔ کوئی قاعدہ مقرر نہ کیا ہو۔ جس طرح حال کی ضرورتیں ہیں، ایسے ہی مستقبل کی ضرورتیں ہیں۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ حال کی ضرورتوں کے لئے تو اس کے پاس سب کچھ ہو۔ لیکن مستقبل کی ضرورتوں کے لئے اس کے پاس کوئی کارسازی اور کوئی پروردگاری نہ ہو۔

(۴)

صحیح ہے۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے۔ مگر ایجاد کس طرح ہوتی ہے۔ ضرورت کا احساس لوگوں میں بڑھتا ہے، یہاں تک کہ وہ ضرورت گویا دماغوں پر مسلط ہو جاتی ہے۔ چارہ کار کی فکر میں دماغ مصروف رہنے لگتے ہیں۔ اٹھتے بیٹھتے وہی ضرورت اور اس کے چارۂ کار کی ادھیڑ بن ذہنوں میں رہتی ہے۔ تو ایسا ہوتا ہے کہ انھیں سوچ وچار کرنے والوں میں سے کسی ایک کے دماغ میں ایک جھلک سی آتی ہے وہ جھلک رہنمائی ہوتی ہے چارہ کار کی۔ اب ذہن اس جھلک کے پیچھے چلتا ہے۔ اس کے ہر ایک پہلو پر غور کرتا ہے تو اس ضرورت کے متعلق تدبیریں سامنے آجاتی ہیں۔ جن سے ایک

منصوبہ مرتب ہو جاتا ہے۔ وہ اس کو لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے جو اس سوچ وچار میں تھے۔ تو ہر ایک ذہن اس منصوبہ کو قبول کر لیتا ہے اور ایک چیز کی ایجاد ہو جاتی ہے۔ آپ اس جھلک کو الہام کہہ سکتے ہیں۔ یہ ان کو ہوتا ہے جو اس ضرورت سے بہت گہرا تعلق رکھتے ہیں اس کے نشیب و فراز سے واقف گویا اس ضرورت کے سلسلے میں ماہر فن ہوتے ہیں۔

(ت)

وہ بندگان خدا۔ جن کے دلوں میں خدا کا خوف ہوتا ہے۔ نوع انسان کی ہمدردی ان کی فطرت کا جوہر ہوتی ہے۔ وہ اس ہمدردی میں پورے مخلص اور ہر طرح سچے ہوتے ہیں۔ نوع انسان کی فلاح و بہبود ان کا نصب العین ہوتی ہے۔ خرابیاں اور برائیاں ان کے لئے درد جگر اور سوہان روح ہوتی ہیں۔ وہ اس فکر میں رات دن منہمک رہتے ہیں کہ کس طرح خرابیاں دور ہوں اور فلاح و بہبود کے راستہ کو انسان اختیار کریں۔ یہی باتیں ان کے ذہنوں کی ادھیڑ بن ہوتی ہیں۔ اس طرح کی جھلک ان کے سامنے بھی آتی ہے۔ جس کا تعلق انسان کے مستقبل، اس کی روحانی ترقی اور اس کے فلاح و بہبود سے ہوتا ہے۔ یہ جھلک جس کو ہم نے الہام کہا تھا، یہی الہام ہے۔ جس سے مستقبل کی ضرورتوں کی عقدہ کشائی ہوتی ہے۔ تمدن یا مادی ترقیات کے سلسلہ میں جو مسائل سامنے آتے ہیں ان میں جو الجھن پیدا ہوتی ہے وہ اخلاقی یا روحانی مسئلہ نہیں ہوتا، اس کا تعلق کسی فن یا آرٹ سے ہوتا ہے

لہٰذا اس فن کی مہارت اور اس کی ترقی کی لگن تو ضروری ہوتی ہے، لیکن یہ ضروری نہیں ہوتا کہ یہ ماہر شخص، اخلاق اور روحانیت میں بھی کمال رکھتا ہو۔ مگر وہ مسائل جن کا ذکر اوپر کیا گیا، ان کا سارا تعلق اخلاق اور روحانیت سے ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ جس کو الہام کی روشنی عطا ہو وہ روحانیت میں سب سے بلند، اخلاقی کمالات میں سب سے اونچا ہو۔ بچپن سے اس کو یہی لگن رہی ہو۔ سچائی، پاک بازی، امانت داری جیسے اعلیٰ اخلاق کا بہتر نمونہ ہو، خالق ذوالجلال پر پورا یقین اور بھروسہ رکھتا ہو، اپنے زمانہ کا سب سے بڑا خدا پرست، خدا ترس ہو۔

(س)

یہ غلط ہے اور قطعاً غلط ہے۔ اور سراسر نادانی ہے کہ اللہ میاں انسان کی شکل میں آتا ہے اور انسان اوتار بن جاتے ہیں، بلکہ جانا پہچانا تجربہ جس سے انکار نہیں ہو سکتا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو انسانوں کے ذریعہ ہی سکھاتا ہے۔

تمام ایجادیں اسی طرح ہوتی ہیں کہ اللہ تعالےٰ کسی ماہر کے دل میں ایک بات ڈال دیتا ہے۔ وہ اس کا تجربہ کرتا ہے تجربہ صحیح ہوتا ہے تو اس کو چلاتا ہے، پھیلاتا ہے، رواج دیتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ نے روحانیت کے بڑے بڑے ماہر پیدا کئے۔ ان کے دلوں میں روحانی کمالات اور اخروی ترقیات کی باتیں ڈالیں، ان کے لئے خاص خاص پیغام نازل کئے۔ یہ ماہرین انبیاء تھے اور یہ پیغامات کتابیں، آخری پیغام

قرآن حکیم ہے۔

(ع)

مادی ترقیات ادھوری ہیں۔ انسان رفتہ رفتہ ترقی کر رہا ہے، کیونکہ مادی ترقی نہ ہونے سے انسان کے روحانی کمال میں فرق نہیں آتا۔ لیکن روحانی تعلیم کا اثر انسان کے مستقبل پر یعنی اس کی آخرت پر پڑتا ہے۔ لہذا اللہ تعالےٰ نے روحانی تعلیمات کو پہلے ہی مکمل فرما دیا تاکہ جس کو توفیق ہو وہ روحانی کمال حاصل کرے اور ناواقفیت کا عذر باقی نہ رہے۔ حضرت محمد بن عبداللہ مکی صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں جن کے ذریعہ روحانی تعلیم مکمل فرما دی گئی اور سلسلہ نبوت ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا۔ اللہ کا آخری پیغام یعنی قرآن حکیم — جو روحانی کمالات کا مکمل درس ہے۔ اس کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا گیا۔ سیکڑوں برس گزر گئے۔ وہ اب تک اسی طرح محفوظ ہے۔ ایک شوشہ کا فرق بھی اس میں نہیں آیا۔ ہر دور اور ہر زمانہ میں لاکھوں انسان اس کے حافظ رہے، حافظ ہیں اور اسی طرح حافظ رہیں گے۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں حافظ ہر سال رمضان شریف میں یہ قرآن نمازوں میں کھڑے ہو کر ایک دوسرے کو سناتے ہیں۔ کوئی بھی حافظ اگر معمولی سے معمولی بھی غلطی کرتا ہے تو دوسرا حافظ فوراً اُسے ٹوک دیتا ہے اور اس کو آگے پڑھنے نہیں دیتا جب تک وہ اپنی غلطی کی اصلاح نہ کر لے۔ اس طرح ہر سال لاکھوں مسلمان پورے قرآن کو اوّل تا آخر چیک کرتے ہیں اور اسی بنا پر ان کو پورا یقین ہے کہ یہ قرآن وہی ہے جو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا اور چونکہ

خدا کی مرضی یہ ہے کہ یہ ہمیشہ باقی رہے اور لوگ اس سے ہدایت پاتے رہیں۔ اسی اللہ تعالےٰ نے اس کو محفوظ رکھنے کا یہ غیر معمولی حیرت انگیز طریقہ سمجھادیا۔ جس کی نظیر دنیا کے کسی مذہب کے پاس نہیں ہے اور یہی حفاظت قرآن کا راز ہے۔

بن دیکھی مخلوق

(الغیب)

فرشتے (ملائک) دیوی۔ دیوتا۔ جنات اور شیاطین

(الف)

فکر سلیم اور عقل صحیح نے کبھی بھی یہ تسلیم نہیں کیا کہ مخلوق ہو، خالق نہ ہو۔ حیرت انگیز کاری گری ہر جگہ جلوہ افروز ہو اور کاریگر کوئی نہ ہو۔ ہماری آنکھیں جن کو دیکھتی ہیں، ان میں سب سے بڑا آفتاب ہے۔ یہ نیّر درخشاں، یہ شمس مُنیر آزاد ہے یا پابند۔ ایک ہزار سال پہلے یہ دہلی یا مثلاً لندن کے افق پر یکم جنوری کو جس لمحہ اور جس سکنڈ پر طلوع ہوا تھا۔ ایک ہزار سال بعد بھی اسی لمحہ اور اسی سکنڈ پر طلوع ہو رہا ہے۔ غروب کا وقت بھی وہی ہے۔ نہ طلوع میں فرق نہ غروب میں۔ یہ جتنا بڑا ہے اتنا ہی زیادہ پابند۔ ماہرین علوم نے اس کی پابندی کو معیار بنایا۔ اس سے جنتریاں تیار کیں اور کی جا رہی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہ حیرت انگیز پابندی موجود ہو۔ پابند کرنے والا کوئی نہ ہو۔ عقل و دانش نے کبھی بھی اس کو تسلیم نہیں کیا۔ اسی لئے وہ مجبور ہوئی کہ وہ اس کائنات کا خالق مانے اور تسلیم کرے کہ وہ قادر ہے، وہ صاحب حکمت علیم و خبیر ہے ____

فکر صحیح اور عقل سلیم اس بات کے ماننے پر بھی مجبور ہوئی

کہ ہماری انکھیں کھلی ہوئی آنکھوں کے سامنے ایسی چیزیں بلکہ ایسی حقیقتیں بھی ہیں جو موجود ہیں اور ممکن ہے ان کا وجود ہمارے وجود سے زیادہ باعظمت ہو، مگر وہ ہمیں نظر نہیں آتیں۔ خود ہماری اپنی نظر و نگاہ ہے جو سب کچھ دیکھتی ہے، ہم اس کے ذریعہ سب کچھ دیکھتے ہیں مگر ہم خود نظر و نگاہ کو نہیں دیکھ سکتے۔

یہ جان کیا ہے، ہمارے اندر موجود ہے۔ ہمارا وجود اس پر منحصر۔ یہ نہ ہو تو ہم نہ ہوں۔ مگر کیا کسی نے اپنی جان کو دیکھا ہے۔ کیا جان نظر آسکتی ہے۔

ہم ہیں۔ بلاشبہ ہم ہیں۔ مگر کیا کبھی ہم نے اپنے آپ کو دیکھا ہے۔ ہاتھ پاؤں، آنکھ ناک بلاشبہ نظر آتے ہیں مگر جس کو ہم "ہم" سمجھتے ہیں جس کی بنا پر یہ کہتے ہیں کہ ہم زید ہیں۔ ہم عمر ہیں۔ ہم بکر ہیں۔ کیا کبھی کسی نے اس ہم کو دیکھا ہے۔ بہرحال جسطرح فطرت سلیم خالق کے تسلیم کرنے پر مجبور ہے، ایسے ہی خالق کے علاوہ ایسی کائنات کے ماننے پر بھی مجبور ہے جو اپنا وجود تو رکھتی ہے مگر ہمیں نظر نہیں آتی۔ ان دونوں کا ماننا تقاضار فطرت ہے۔ ان کے ماننے میں کوئی غلطی نہیں ہے۔

(ب)

البتہ غلطی یہ ہوئی اور بہت سخت غلطی ہوئی کہ ہم نے خالق کو مخلوق پر قیاس کر لیا۔ جس طرح ہم کھاتے پیتے کسی مکان میں رہتے ہیں، ایسے ہی وہ خالق جس کو خدا یا اللہ۔ گاڈ یا پرماتما کہا جاتا ہے۔

وہ بھی کھاتا پیتا ہوگا۔ آرام کرتا ہوگا۔ کسی مکان میں رہتا ہوگا۔ اس کی بیوی ہوگی۔ اولاد ہوگی۔ وہ اگر بادشاہ ہے تو اس کے وزیر اور مشیر ہوں گے، اس کے مددگار ہوں گے۔ دوست اور دشمن ہوں گے وغیرہ وغیرہ۔ دوستوں اور مددگاروں کا اس پر دباؤ ہوگا۔ وہ ان کی باتیں مانتا ہوگا۔

یہی مغالطہ تھا جس کی بنار پر لوگوں نے دیوتا مانے کہ وہ خدا کے مددگار ہیں۔ ان کو خوش کرنے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔ دیوتا جب خدا کی مدد کرتے ہیں تو وہ اس کی بھی مدد کرتے ہیں جو ان سے مدد چاہتا ہے، خدا سے مدد مانگنا دور کی بات ہے۔ اس سے قریب یہ ہے کہ دیوتاؤں سے مدد مانگو۔

کسی نے اللہ کو کھانے پینے والا مانا۔ تو اس کے کھانے پینے کے لئے کچھ پیش کرنا ضروری سمجھا۔ وہ خدا کو دیکھ نہیں سکتے تھے تو اس کے نام کے بُت بنائے۔ وہ ان پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ ان کے چرنوں پر جان داروں کو قربان کرتے ہیں۔ کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو انسانوں کو انسانوں کے بچوں کو اور انتہا یہ کہ خود اپنے بچوں کو بھی ان کی چوکھٹوں پر قربان کر دیتے ہیں۔ ان کا خون ان پر ڈالتے ہیں۔

کچھ وہ ہیں جو بظاہر صاحبِ علم وفضل اور اربابِ دانش ہیں۔ وہ کہتے یہی ہیں کہ خدا ایک ہے مگر وہ تین میں ایک ہے۔ اس کا بیٹا بھی ہے۔ اس کا جوہر باپ کا جوہر ہے۔ وہ بھی ازلی ہے اس لئے اس کو مخلوق نہیں کہتے ہیں۔ کہتے ہیں وہ مولود ہے۔ ایک اور بھی ہے جسکو

روح القدس کہتے ہیں۔ مگر تینوں ایک ہیں۔ جب بیٹا مانتے ہیں تو بیوی کا انکار نہیں کر سکتے۔

چوتھی صدی عیسوی کے ربع اوّل پر (جولائی ۳۲۵ء میں) جو کانفرنس قسطنطین اعظم کی دعوت پر نیقایہ میں ہوئی اس نے یہ عقیدہ طے کیا جس کو عقیدہ متفقہ نیقیہ کہا جاتا ہے۔

"ہم ایمان رکھتے ہیں ایک خدا پر جو باپ ہے اور مالک ہے، سب کا بنانے والا ان چیزوں کا جو دیکھی جاتی ہیں اور ان کا جو نہیں دیکھی جاتی ہیں اور ایمان رکھتے ہیں خداوند یسوع مسیح خدا کے فرزند پر جو پیدا ہوا ہے باپ سے اکیلا مولود۔ یعنی پیدا ہوا ہے جوہر سے جو باپ کا ہے۔ خدا ہے خدا کا۔ نور ہے نور کا۔ اصلی خدا، اصلی خدا کا۔ مولود ہے مصنوع نہیں ہے، کیونکہ وہ اور باپ ایک جوہر سے ہیں۔ اسی نے بنایا ہے تمام اشیاء کو جو آسمان پر ہیں یا زمین پر۔ جس نے ہم آدمیوں کے لئے اور ہماری نجات کے لئے نزول کیا آسمان سے۔ اور وہ مجسم کیا گیا اور بنایا گیا۔ انسان۔ صلیب پر چڑھایا گیا۔ اور اٹھا تیسرے دن اور چڑھ گیا آسمان پر اور وہ آئیگا پھر مردوں اور زندوں کے درمیان عدل کے لئے اور ایمان رکھتے ہیں ہم روح القدس پر۔"

یہ عبارت ہے اس تحریر کی جو اس وقت سے آج تک "عقیدہ متفقہ نیقیہ" کے نام سے مشہور ہے۔ بعد کی صدیوں میں اس پر اضافے بھی ہوتے رہے۔ چند فقرے جن سے ایریوسی عقیدے

کی تردید ہوتی ہے۔ بڑھائے گئے وہ فقرے یہ ہیں۔

"لیکن جو کہتے ہیں کہ ایک وقت ایسا تھا کہ وہ نہ تھا اور کہتے ہیں کہ مولود ہونے سے پہلے وہ نہ تھا اور اس کا وجود ایسی چیز سے ہوا جو پہلے نہ تھی، یا جو لوگ مانتے ہیں کہ خدا کے فرزند کی ذات یا اس کا جوہر خدا کی ذات اور جوہر سے جدا ہے۔ یا یہ کہ وہ مصنوع تھا یا تابع تغیر و تبدل ہے تو کلیسا ایسے تمام لوگوں کی تردید کرتا ہے۔" قسطنطین[۵۱] اعظم مصنفہ جان۔ بی فرتھ اسکوائر۔

ترجمہ محمد عنایت اللہ ص۲۲۶، ص۲۲۷

تعجب ہے ان ارباب دانش پر جو کانفرنس کے فیصلہ کو خداوندی فیصلہ قرار دیتے ہیں۔ اگر کانفرنسوں کے فیصلے خداوندی فیصلے ہوتے ہیں تو ہر ایک پارلیمنٹ کے فیصلے خداوندی ہوں گے۔ بیشک اس کانفرنس میں شریک ہونے والے وہ تھے جو عیسائیت میں نہایت پختہ تھے اور بہت سوں نے قربانیاں بھی دی تھیں۔ مگر ہر پختگی دلیل صداقت نہیں ہوتی۔ آخر کمیونسٹوں نے کیا قصور کیا ہے کہ ہمہ قسم کی قربانیوں کے باوجود ان کو مصلح نہیں کہا جاتا۔ اور دنیا کو ان سے خوف زدہ کیا جاتا ہے۔

---

[۵۱] قسطنطین یعنی کسٹن تن ٹائن جو اپنے تین حریفوں کو ختم کر کے روما کا شہنشاہ بنا تھا۔ وہ بت پرست تھا۔ اس نے اپنے پیش رو "ڈائیوک لیشن" کی زندگی سے سبق لیا۔ کہ بے انتہا مظالم کے باوجود وہ عیسائیت کو ختم نہیں کر سکا۔ نہ کلیسا کے نظام کو توڑ سکا۔ بلکہ نظامِ کلیسا اس عرصہ میں زیادہ مضبوط ہو گیا۔ اس تجربہ سے سبق لیتے ہوئے اس نے عیسائیوں اور کلیسا کی حمایت حاصل کرنی ضروری سمجھی۔ چنانچہ مظالم

(ج)

کچھ نے کہا کہ خالق ضرور ہونا چاہیئے۔ مگر ایک نہیں بلکہ کم از کم دو۔ ایک خالق خیر دوسرا خالق شر۔ حالانکہ قادر مطلق ایک ہی ہو سکتا ہے۔ دو ہوں گے تو مطلق کوئی بھی نہ ہوگا۔ ہر ایک دوسرے کا پابند ہوگا۔ پابند نہ ہوگا تو باہمی اختلاف ہوگا۔ ایک ملک میں دو بادشاہ نہیں ہو سکتے ـــ ایک قمقمہ میں بیک وقت دو کرنٹ نہیں دوڑ سکتے ـــ تو ایک مخلوق کے دو قادر مطلق خالق کیسے ہو سکتے ہیں؟

(د)

حقیقت یہ ہے کہ اس انسان کی کوئی حیثیت نہیں جس میں ترقی

کو منع کر دیا اور خود عیسائیت قبول کر لی اور پادری صاحبان کی اوہام پرستی کو مطمئن کرنے کے لئے اپنا مشاہدہ بیان کرنا شروع کر دیا کہ اس نے آسمان پر صلیب دیکھی جو نہایت درخشاں تھی اور اس کو عیسائیت کی حمایت کرنے کا اشارہ کر رہی تھی۔ (قسطنطین اعظم باب ہشتم) لیکن اس کے باوجود قسطنطین بت پرستوں کا پیشوا۔ اعظم بھی رہا اور یہ منصب جو اس کو بت پرستوں نے دے رکھا تھا۔ وہ آخر تک اس منصب پر قائم رہا ـــ کاہن کبیر ـ "پونتی فکس میک سیمس" بنا رہا (قسطنطین اعظم ص ۲۱۲ ترجمہ) مسیحیت کا یہی مصلح و مجدد اور محسن اعظم ہے کہ نیقیہ کی کانفرنس سے ایک سال بعد ۳۲۶ء میں جب اس کو اپنے چند عزیزوں کے متعلق شبہ ہوا کہ وہ اس کے اقتدار کے لئے خطرہ بن سکتے ہیں تو نہ صرف ان عزیزوں بلکہ اپنے لائق اور ہونہار فرزند کرسپوس۔ اور اپنی عزیز بیوی فاستہ کو بھی تہ تیغ کرا دیا۔ (ملاحظہ فرمایئے قسطنطین اعظم باب دوازدہم)

کی اُمنگ نہ ہو۔ جب بندہ عاجز ترقی کی اُمنگ سے محروم نہیں اور یہ جذبہ اس کی قابلیت اور صلاحیت کے لئے بہترین جوہر ہے تو کیا خدائے قادر میں ترقی کا جذبہ نہیں ہوگا۔ مخلوق سے وہ پہلے ہی برتر و بالا ہے۔ تو ترقی کا یہ جذبہ دوسرے خدا کے مقابلہ پر بھی ہوگا لامحالہ ایک دوسرے پر غالب آجائے گا تو لامحالہ خدا وہی ہوگا جو غالب ہوگا۔

بہرحال اس طرح کے مغالطے تھے جو فکر انسان کو پیش آئے جن کی بناء پر بہت سے مذہب بن گئے۔

(۸)

خالق کو تسلیم کرنا یعنی (ایمان باللہ) سب سے پہلا فرض ہے۔ مخلوق کا یہ بھی فرض ہے کہ خالق کی تعظیم کرے۔ اس تعظیم کی صورتوں کا بیان کرنا ہی مذہب کا مقصد ہے۔ لیکن یہ اہم ترین مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا۔ جب تک مغالطے ختم نہ کئے جائیں۔ فرشتوں پر ایمان لانا ایک عنوان ہے۔ اس عنوان کا مقصد یہ ہے کہ ان مغالطوں کو ختم کیا جائے۔ جو بن دیکھی مخلوق کے متعلق اصحاب فکر، حامیان مذہب کو پیش آئے جن کی بنا پر بہت سے فرقے بن گئے۔

(۹)

یہ کائنات جو ماورا اور اک اور ماورا مشاہدہ ہے کتنی ہے اس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔

"تیرے رب کے لشکروں کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔" (سورہ ۷۴ مدثر آیت ۳۱)

اللہ تعالیٰ کو ضرور اس کا علم ہے کیونکہ وہ خالق ہے۔ اور کیا ممکن ہے کہ خالق کو اپنی مخلوق کا علم نہ ہو۔ حالانکہ وہ لطیف خبیر ہے۔ عالم ظاہر و باطن۔ (سورہ ۶۷ الملک آیت ۱۴) (سورہ ۵۹ الحشر آیت ۲۲)

اس کے خلق و ایجاد کا سلسلہ جاری ہے اس لئے بھی علم انسان جملہ کائنات کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ (سورہ ۳۵ فاطر آیت ۱ سورہ ۱۶ النحل آیت ۸)

کائنات کے بے شمار جواہر میں سے کچھ وہ ہیں جن کا تعلق انسان سے رہتا ہے۔ یہ ہیں فرشتے، جنات اور شیاطین۔ انسان ان کا ادراک نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ اگرچہ مادّی ہیں، مگر ان کا مادہ مختلف ہے۔ انسان خاکی ہے اور یہ نوری یا ناری ہیں۔ (سورہ ۱۵ الحجر آیت ۲۶-۲۷)

یہ کچھ ہی ہوں، ان کا مادّہ کچھ ہی ہو۔ مگر اتنی بات یقینی ہے کہ مستحق پرستش ان میں سے کوئی بھی نہیں۔ کیونکہ خدا کی خدائی میں ان کی کوئی شرکت نہیں۔ ان سب میں فرشتوں کا درجہ سب سے بلند ہے۔ مگر ان کی فطرت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کی نافرمانی نہیں کرتے۔ کسی بات میں جس کا ان کو حکم دیا جاتا ہے اور وہی کرتے ہیں جس کا ان کو حکم دیا جاتا ہے۔ (سورہ ۶۶ التحریم۔ آیت ۶)

وہ اس سے آگے بڑھ کر بات نہیں کر سکتے اور وہ اسی کے حکم کے موافق عمل کرتے ہیں۔ (سورہ ۲۱ الانبیاء آیت ۲۷)

ان کی شان یہ ہے شب و روز تسبیح خواں رہتے ہیں کبھی سست نہیں پڑتے۔ (سورہ ۲۱۔ الانبیاء۔ آیت ۲۰)

خدا کی مرضی کے سوا کسی کی مدد تو کیا کرتے یہ ہمت بھی نہیں

رکھتے کہ خدا کی مرضی کے خلاف کسی کی سفارش کردیں۔ وہ صرف اسی کی سفارش کرتے ہیں جس کے لئے خدا کی مرضی ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں۔ (سورہ ۲۱ انبیاء۔ آیت ۲۸)

حکم خدا کے سامنے دم مارنے کی تو کیا مجال ہوتی۔ جب حضرت حق جل مجدہٗ کا حکم نازل ہوتا ہے تو اس کے رعب اور خشیہ سے انکو اپنے ہوش سنبھالنے مشکل ہو جاتے ہیں۔ جب ان کے دلوں سے دہشت دور ہو جاتی ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ تمھارے پروردگار نے کیا حکم فرمایا۔ وہ کہتے ہیں حق بات ہی کا حکم فرمایا اور وہ عالی شان ہے سب سے بڑا۔ (سورہ ۳۴ سبا۔ آیت ۲۲ و ۲۳)

ان میں چار فرشتے خاص درجہ رکھتے ہیں۔ حضرت جبرئیل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل، حضرت عزرائیل، مگر بلندی درجات کا مدار اس پر ہے۔ کہ احکامِ الٰہیہ کے زیادہ سے زیادہ پابند، زیادہ مطیع اور زیادہ فرماں بردار ہیں۔

ملائکہ مقربین وہ بھی ہیں جو حاملین عرش کہلاتے ہیں۔ ان کے مدارج سب سے بلند ہیں۔ کیونکہ ان کی شان یہ ہے۔ وہ اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں۔ (سورہ ۴۰ المومن۔ آیت ۷)

باایں ہمہ ان کا درجہ انسان سے بلند نہیں۔ کیونکہ انسان وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نیابت و خلافت کی عظمت عطا فرمائی اور فرشتوں کو حکم ہوا "سجدہ کرو آدم کو (آدم کی تعظیم بجالاؤ۔)" سورہ ۲ بقرہ

جنات کا درجہ فرشتوں سے کم ہے۔ فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم ہوا تھا۔ جنات کو حضرت سلیمان علیہ السلام کا محکوم بنایا۔ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے کام کیا کرتے اور جس چیز کا حضرت سلیمان حکم فرماتے اس کو بنا کر پیش کیا کرتے تھے۔

(سورہ ۳۴ سبا آیات ۱۳)

یہ غلط ہے کہ ان کو غیب کا علم ہوتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات ہو گئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو کام سپرد کیا تھا، جس کی نگرانی وہ خود فرمایا کرتے تھے، یہ جنات اسی کام میں مصروف رہے۔ جب بعد میں علم ہوا کہ حضرت سلیمان کی وفات بھی ہو چکی ہے (علیہ السلام) تو افسوس سے کہا "اگر غیب جانتے تو اس ذلت کی مصیبت میں نہ رہتے"۔

(سورہ ۳۴ سبا آیت ۱۴)

انھیں کا ایک سربرآوردہ وہ تھا۔ جس کو ابلیس کہا جاتا تھا۔ یہ جو حکم ہوا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔ ابلیس نے اس کی تعمیل سے سرتابی کی۔ اس کا پندار یہ تھا کہ اس کا جوہر آدم علیہ السلام کے جوہر سے بہتر ہے۔ حالانکہ عند اللہ مدار عظمت جوہر نہیں۔ جوہر سب مخلوق ہیں، مخلوق ہونے میں یکساں ہیں۔ عند اللہ مدار عظمت ہے۔ اطاعت، بندگی عجز و انکسار، وفاداری اور وفاشعاری — ابلیس اس پندار کی بنا پر راندۂ درگاہ کیا گیا اور ہمیشہ کے لئے مستحق لعنت قرار دیا گیا۔ یہ ہے ملائک کے متعلق قرآنی تصریحات۔ ان کو ماننا ایمان بالملائکہ ہے۔

خلاصہ

(الف) اللہ پر ایمان لانا اور توحید یعنی یہ ماننا کہ ہمارا اور پوری کائنات کا پیدا کرنے والا ایک اور صرف ایک ہے، وہ نرالا ہے، اس کا نہ کوئی شریک ہے نہ اس کا مثل اور ہمسر، نہ وہ والد ہے نہ مولود۔ پوری کائنات اس کے حکم سے وجود میں آئی۔ وہ ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا۔ وہ علیم و خبیر صاحب حکمت اور قادر مطلق ہے۔ عبادت صرف اسی کی ہونی چاہیئے، کیونکہ وہ رب الناس ہے (تمام انسانوں کی پرورش کرنے والا) لہذا اسی کا حق ہے کہ وہ ملک الناس (سب کا بادشاہ) اور صرف اسی کا حق ہے کہ الٰہ الناس ہو یعنی سب کا معبود۔

(ب) انسان کا کوئی عمل، کوئی فعل تاثیر سے خالی نہیں۔ ہر ایک عمل کی اچھی یا بری تاثیر ضرور ہے۔ اسی پر جزا و سزا ہوتی ہے۔ لہذا ہر عمل کا حساب ہوگا۔ یہ حساب اور چکوتی کا دن وہ ہے جسے روز جزا، یوم آخر، یوم دین یا قیامت کا دن کہا جاتا ہے۔ اس حساب اور جزا و سزا کے لئے اول سے آخر تک تمام انسان ایک میدان میں جمع ہوں گے۔ وہ میدان حشر ہے۔ حساب کے بعد اچھے اور برے انسانوں کو الگ الگ چھانٹ دیا جائے گا۔ اچھوں کا مقام جنت ہوگا اور بروں کو جہنم رسید کیا جائیگا۔

(ج) اللہ کی بے شمار مخلوقات میں سے ایک مخلوق وہ ہے جسے ملک یا فرشتہ کہتے ہیں۔ ان کی گنتی صرف اللہ ہی کو معلوم ہے۔

ان کی پیدائش نور سے ہوئی اور اس طرح ہوئی کہ ان میں گناہ کا مادّہ ہی نہیں ہے۔ اسی لئے وہ معصوم ہیں۔ وہ وہی کرتے ہیں جس کا ان کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے حکم ہوتا ہے۔ وہ نافرمانی یا حکم عدولی کر ہی نہیں سکتے۔

(د) دیوی، دیوتا کوئی چیز نہیں ہے۔ چار فرشتے خاص حیثیت رکھتے ہیں۔ جبرئیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل۔ مگر ان میں سے پوجا کے لائق کوئی بھی نہیں۔ انسان کا درجہ ان سے بلند ہے کیونکہ ان سب کو حکم ہوا کہ ابوالبشر (یعنی تمام انسانوں کے والد بزرگوار) حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔ سب نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ ان کو اپنا قبلہ بنایا۔

(ھ) خدا کی ایک اور مخلوق ہے وہ بھی نظر نہیں آتی وہ آگ سے بنی ہے۔ اس کو جن کہتے ہیں۔ وہ بھی انسان کے تابع ہے شیطان اسی مخلوق میں سے تھا۔ اس نے حکم عدولی کی کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں کیا۔ لہٰذا اس کو ہمیشہ کے لئے راندہ درگاہ کر دیا گیا۔ اس پر ہمیشہ لعنت ہوتی رہے گی۔

(و) جس طرح انسان کی دنیا انسان کے عمل سے بنتی یا بگڑتی ہے۔ ایسے ہی آخرت بھی انسان کے عمل سے بنتی یا بگڑتی ہے۔ دنیا میں بگڑنے یا سنورنے کو ہم دیکھ لیتے ہیں۔ لیکن آخرت کے لحاظ سے ہمارے عمل کا اثر کیا ہوتا ہے۔ کس عمل سے آخرت بگڑتی ہے اور کس سے سنورتی ہے۔ اس دنیا میں ہم

اس کا مشاہدہ نہیں کر سکتے۔ نہ کوئی مرنے والا آج تک واپس آیا ہے کہ اس کے تجربے سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔ حالانکہ آخرت کے بگاڑ یا سنوار کا علم ضروری ہے۔ کیونکہ دنیا چند روزہ ہے اور آخرت ہمیشہ رہنے والی۔

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے کہ جس طرح اس نے انسان کی موجودہ زندگی گزارنے اور اس کا اچھا یا برا بنانے کے طریقے بتائے اسی طرح اس نے آخرت کے متعلق بھی تعلیم کا ایک سلسلہ قائم فرما دیا۔

تعلیم کے لئے کتابیں نازل کیں جن کو آسمانی کتابیں کہا جاتا ہے۔ جن میں سے مشہور کتابیں یہ ہیں۔ توریت، زبور، انجیل اور آخری کتاب قرآن مجید۔ اسی سلسلۂ تعلیم کو نبوت کہتے ہیں۔ اور اسی سلسلہ کو ماننا نبوت پر ایمان لانا ہے۔ اس کو ایمان بالکتاب بھی کہتے ہیں۔ اس سلسلہ کے معلمین انبیاء علیہم السلام ہیں، جن انبیاء پر کوئی کتاب بھی نازل ہوئی ان کو رسول کہا جاتا ہے۔

ہمدردی خلق خدا
اور
لِلّٰہیت
جو اللہ کے لئے ہو

انسان عبد ہے، یعنی بندہ ہے۔ بندگی یہ ہے کہ اپنی عاجزی اپنی حاجت مندی کو محسوس کرے۔ اس حقیقت کو اچھی طرح پہچانے کہ وہ کچھ نہیں ہے جو کچھ ہے اللہ تعالےٰ کی مہربانی ہے۔ اسی نے اس کو وجود بخشا۔ اسی نے اس کو زندگی دی، اسی نے اس کو عقل سمجھ اور طاقت دی۔ وہی طاقت بخشتا ہے۔ تو انسان کچھ کر سکتا ہے۔ اس حقیقت کو پوری طرح پہچان لینے اور اسی پہچان کو اپنے اوپر اثر انداز کر لینے کا نام معرفت ہے۔

اور جب کہ جو کچھ ہے وہ اسی کا ہے تو انسان جو کچھ کرے وہ اسی کے لئے ہونا چاہیئے اور صرف اسی کے لئے ہونا چاہیئے اسی کا نام ہے للّٰہیت اور اخلاص نیت۔

توحید کا تقاضا بھی یہی ہے کہ بندہ کا سب کچھ اسی ایک ذات کے لئے ہونا چاہیئے جو اس کا خالق، پروردگار اور مالک ہے۔

لیکن اللہ تعالےٰ نہ ہماری خدمت کا محتاج ہے نہ ہماری مالی اور بدنی امداد کا۔ البتہ ساری مخلوق اس کا کنبہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

الخلق عیال اللہ فاحسنھم الی اللہ احسنھم الی عیالہ۔

پس اللہ کی خدمت اور اس کی امداد یہ ہے کہ اس کی مخلوق کی خدمت اور اس کے بندوں کی امداد کی جائے۔ اللہ سے محبت کا مطلب یہ ہے کہ اس کی مخلوق سے ہمدردی برتی جائے عشق مولا کا راستہ ہمدردی خلق خدا کی وادی سے گذرتا ہے۔

اسلام کالے گورے کا فرق نہیں کرتا، عرب، عجم، یورپ، افریقہ یا ایشیا کے رہنے والے اس کی نظر میں برابر ہیں۔ تمام انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، اسلئے اسلام اسکو درست نہیں سمجھتا کہ آپ کی خدمت یا آپ کی امداد کسی قوم یا کسی رنگ یا کسی خاص ملک کے رہنے والوں کے لئے ہو۔ اس کی تعلیم یہ ہے کہ بندہ مومن کی خدمت، ہمدردی اور امداد۔ اللہ کے لئے ہو۔ اللہ رب العالمین ہے۔ آپ کا جو بھی کام رب العالمین کے لئے ہوگا، وہ اس کی ساری مخلوق کے لئے ہوگا۔ اس میں رنگ ونسل یا جغرافیہ کا کوئی فرق نہیں ہوگا۔ نہ اس میں اپنی غرض ہوگی۔ آپ خدا کے لئے کام کریں تو اس کا شکریہ خدا ہی سے چاہیں۔ یہ آپ کے ذہن میں قطعًا نہ آئے کہ جن انسانوں کی آپ خدمت یا امداد کر رہے ہیں وہ آپ کا شکریہ ادا کریں۔ آپ صرف خدا کیلئے اور خدا کے یہاں اپنا مستقبل درست کرنے کیلئے

۔کام کریں۔ یہ اسلام کی وہ جوہری تعلیم ہے جو تمام تعلیمات کی بنیاد ہے۔

مراتب ایمان

جب ایمان ان باتوں کے مان لینے کا نام ہے، اس مان لینے میں فرق نہیں ہو سکتا۔ البتہ مان لینے کے ساتھ عمل بھی ضروری ہے۔ اس عمل کے لحاظ سے ایمان کے مراتب کا فرق ہوتا ہے چند حدیثیں پیش کی جا رہی ہیں جن میں فرق مراتب کی طرف اشارے ہیں۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ ایک شخص نے سوال کیا یا رسول اللہ کس اسلام کو سب سے بہتر اسلام کہا جا سکتا ہے۔ ارشاد ہوا سب سے بہتر اسلام یہ ہے کہ کھانا کھلاؤ اور ہر ایک کو سلام کرو۔ (بخاری شریف۔کتاب الایمان) خواہ اس کو جانتے ہو یا نہ جانتے ہو۔ یعنی فقر و فاقہ کو دور کرنا اور امن عالم اور میل ملاپ اسلام کی خوبی ہے۔

(۲) ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ صحابہ نے دریافت کیا یا رسول اللہ کون سا اسلام سب سے افضل ہے۔ ارشاد ہوا جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں۔ (بخاری شریف۔کتاب الایمان)

(۳) حضرت ابو شریح رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ واللہ مومن نہیں، خدا کی قسم مومن نہیں، واللہ مومن نہیں۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ کون (مومن نہیں)۔

فرمایا جس کی شرارتوں سے اس کے پڑوسی محفوظ نہ ہوں۔

(۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ــــ کوئی بھی شخص اس وقت تک لقب مومن کا مستحق نہیں ہے جب تک اس کی خصلت یہ نہ ہو جائے کہ اپنے بھائی (دوسرے انسان) کے لئے بھی وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ (بخاری شریف، کتاب الایمان)

ملکیت

دولت

تقسیم دولت

محبوب مال کو راہِ خدا میں خرچ کرنا

مالک حقیقی۔ حقیقی ملکیت

دولت اور انسانی ملکیت کی حیثیت

دولت کی چولی میں اخلاق کی بخیہ گری

اعلامیہ | آگاہ رہو۔ اللہ کا ہے جو آسمان میں ہے، جو زمین میں ہے۔ (سورۂ یونس آیت ۵۵)

دلیل | (الف) اس نے بنائی ہر چیز اور وہ ہر چیز سے واقف ہے۔ (الانعام آیت ۱۰۱)

(ب) وہ سب بنانا جانتا ہے۔ (سورہ ۳۶ یٰس آیت ۷۹)

(ج) اس نے ہر چیز کو اس کی صورت دی پھر اس کو راستہ پر لگایا۔ (سورہ ۲۰ طٰہٰ آیت ۵۰)

(د) ہر چیز پیدا کی، پھر اسے درست کیا، پھر ایک اندازہ ٹھہرادیا۔ پھر اس پر راہ عمل کھول دی (کس طرح وہ نشوونما پائے اور ترقی کرے) (سورہ ۸۷ اعلیٰ آیت ۲،۳)

(ﮦ) کیا اللہ کے سوا کوئی پیدا کرنے والا ہے؟ (سورہ ۳۵ فاطر آیت ۳)

(و) خود تمہارا اقرار ہے اور تم خود اعتراف کرتے ہو کہ زمین اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ کا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی زمین و آسمان حتیٰ کہ عرش عظیم کا پروردگار ہے۔ اسی کی تمام چیزوں پر حکومت ہے اور وہی سب کو پناہ دیتا ہے۔ اس کے سوا اور کوئی نہیں جو کسی کو پناہ دے سکے۔

(سورہ ۲۳ المومنون آیت ۸۴ تا ۸۹)

وہ متصرف ہے

جسے چاہے ملک دے دے، جس سے چاہے ملک لے لے۔ جسے چاہے عزت دے، جسے چاہے عزت سے محروم کردے۔

(سورہ ۳ آل عمران آیت ۲۶)

اس کے تصرف میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے اس کو تمہارے کام میں لگادیا۔ (سورہ ۴۵ جاثیہ۔ آیت ۱۳)

اس نے اولاد آدم کو بزرگی اور عزت دی، خشکی اور تری (صحرا اور سمندر) کی قوتیں اس کے تابع کر دیں کہ وہ اس کو اٹھائے پھرتی ہیں۔ اور اچھی چیزیں اس کی روزی کے لئے مہیا کر دیں اور جو مخلوقات ہم نے پیدا کی ہیں ان میں سے اکثر پر اسے برتری دے دی، پوری پوری برتری۔ (سورہ ۱۷ بنی اسرائیل آیت ۷۰)

انسان کا تعلق کائنات سے

اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین میں نائب بنایا۔ (سورہ ۲ بقرہ۔ آیت ۳۰)

زمین کی تمام چیزیں انسان کے لئے پیدا کیں۔ (سورہ ۲ بقرہ۔ آیت ۲۹)

نسل انسان میں ایک کو دوسرے کا نائب بنایا۔ (سورہ ۶ الانعام آیت ۱۶۵)

ملکیتِ انسان کی حقیقت

مال و دولت میں ایک کو دوسرے کا جانشیں بنایا۔ (سورہ ۵۷ الحدید آیت ۷)

موجودہ نسل گزشتہ کی وارث ہے۔ (سورہ ۷ اعراف آیت ۹۹)

اس دنیاوی زندگی میں انسانوں کی معیشت (روزی) تقسیم کر دی اور بعض کے درجے بعض پر بلند کئے تاکہ ایک دوسرے پر قابو رکھ سکے۔ اور نظم و ضبط قائم ہو سکے۔ (سورہ ۴۳ زخرف۔ آیت ۲۲)

مخصوص حق تصرف

مخصوص حق تصرف جس میں دوسرے کو دخل دینے کا حق نہ ہو۔ (سورہ ۳۰ روم۔ آیت ۲۸)

جس میں دوسرے کا تصرف باطل ہو۔ (سورہ ۲ البقرہ۔ آیت ۱۸۸)

قابض و متصرف کی رضامندی کے بغیر آپ کا تصرف ظلم و عدوان قرار دیا جائے جس کا نتیجہ نار جہنم ہو۔ (سورہ ۴ النساء۔ آیت ۲۹۔۳۰)

یعنی کسی چیز پر آپ کا قبضہ ہو اور اس میں جائز طور پر آپ تصرف کر سکیں۔ یہ انسانی ملکیت کی حقیقت ہے۔ آپ کے بعد دوسرے کا اس پر اس طرح قبضہ ہو گا کہ اس کا تصرف کرنا جائز ہو گا۔ تو وہ آپ کا نائب ہو گا۔ وراثت کا یہی سلسلہ نیابت ہے جس کی بنا پر آیات بالا میں ایک کو دوسرے کا خلیفہ فرمایا گیا۔

ملکیت قائم ہونے کی صورت	
	(الف) سعی اور جد و جہد (سورہ ۵۳ والنجم آیت ۳۹)
	(ب) کسب (کمائی۔ کام) (سورہ ۲ البقرہ آیت ۲۸۶)

حیثیت دولت کی حیثیت یہ ہے اور اسی حیثیت سے وہ تمہارے پاس ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا محض احسان اور اس کا انعام ہے۔

(سورہ ۶۲۔ جمعہ۔ آیت ۱۰) (سورہ ۷۳۔ مزمل آیت ۲۱)

کیونکہ اس کے جو ذرائع ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ کے پیدا کئے ہوئے اور اس کے عطا کردہ ہیں۔ مثلاً

(الف)

سب سے پہلے زمین کو دیکھو جو جملہ ذرائع کی بنیاد اور بے انتہا معدنیات کا خزانہ ہے۔ اس کی یہ صورت (کہ وہ ہر طرح انسان کے لئے کارآمد ہے جس سے اس کی ضرورتیں اور اس کے پیش آنے والے مقاصد پورے ہوتے ہیں) اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔

(سورہ ۶۷ الملک آیت ۱۵) (سورہ ۲ بقرہ آیت ۲۲) (سورہ ۷۷ المرسلات آیت ۲۵)

(سورہ مومن و سورہ زخرف و سورہ نوح و سورہ نمل وغیرہ)

وہی ہے جس نے زمین کی سطح پھیلا دی۔ اس میں پہاڑ بنا دئے۔

نہریں جاری کردیں اور ہر طرح کے پھلوں کے جوڑے دو دو قسموں کے اگا دیئے۔ (سورہ ۱۳ الرعد۔ آیت ۳) (سورہ ۱۴ ابراہیم آیت ۳۲۔ ۳۳)

(ب)

زمین کے بعد سمندر پر نظر ڈال لیئے۔ یہ کس طرح آپ کے لئے ذرائع کسب فراہم کررہا ہے۔ وہی ہے جس نے تمہارے لئے سمندر مسخر کردیا کہ اس سے تازہ اور تر گوشت نکالو اور کھاؤ اور آرائش کی وہ چیزیں جن کو بطور زیور استعمال کرتے ہو (موتی) اسی سمندر سے برآمد کرو اور اس کے سینہ پر وہ عظیم الشان جہاز تیراؤ جو سمندر کی لہروں اور ہواؤں کے طوفانوں کو چیرتے ہوئے چلتے ہیں۔ تم ان کے ذریعہ تجارتی سامان دور دراز ملکوں میں پہونچا کر اللہ کا فضل۔ (تجارتی منافع) حاصل کرتے ہو۔ (سورہ ۱۶ النحل۔ آیت ۱۴۔ سورہ ۲۵ الفرقان آیت ۵۳۔ سورہ ۳۱ لقمان آیت ۳۱۔ سورہ ۳۵ فاطر آیت ۱۲۔ سورہ ۵۵ الرحمن آیت ۱۹ تا ۲۵)

یہی سمندر جو کامیاب تجارتوں کے ذریعہ دولت کے انبار لگاتے ہیں۔ ان کے طوفانوں کے دامنوں میں موت و ہلاکت کی ہولناکیاں بھی ہیں۔

اب غور کرو اور تم ہی بتاؤ وہ کون ہے جو تم کو بیابانوں اور سمندروں کی اندھیریوں میں نجات دیتا ہے۔ جس سے تم آہ وزاری کرتے ہو اور کبھی کبھی دل میں چپکے چپکے دعائیں مانگا کرتے ہو۔ کہ خداوندا اگر ہمیں اس مصیبت سے نجات دیدے تو ہم ہمیشہ ہمیشہ تیرے

شکر گذار رہیں گے۔ (سورہ ۶ الانعام آیت ۶۳)

جب ایسا ہوتا ہے کہ تم جہازوں میں سوار ہوتے ہو۔ جہاز موافق ہوا پاکر تمہیں لے اڑتے ہیں۔ مسافر خوش ہوتے ہیں کہ کیا اچھی ہوا چل رہی ہے۔ پھر اچانک ہوائے تند کے جھونکے نمودار ہوتے ہیں۔ (بے پناہ) موجیں ہر طرف سے ٹھاٹیں مارتی ہیں اور مسافر سمجھ لیتے ہیں کہ وہ گھر چکے ہیں۔ بچنے کی کوئی امید نہیں رہی تو اس وقت انہیں خدا کے سوا اور کوئی یاد نہیں آتا۔ اب وہ دین کے اخلاص کے ساتھ خدا کو پکارنے لگتے ہیں کہ خدایا اگر اس حالت سے ہمیں نجات دیدے تو ہم ضرور تیرے شکر گذار ہوں گے۔ (سورہ ۱۰ یونس آیت ۲۱،۲۲)

(ج)

ان ہواؤں کو دیکھو جو سطح سمندر پر لق و دق صحراؤں یا شاداب مرغزاروں پر جھومتی ہوئی چلتی ہیں۔ اور بادلوں کو دوڑاتی ہیں تاکہ بارش برسائیں اور مردہ زمینوں کو دوبارہ زندگی بخشیں۔ تالابوں کے جگر جو باد سموم کے گرم جھونکوں سے خشک ہو کر ترخ گئے تھے۔ ان کے تڑخے ہوئے تودوں کو جوڑ دیں۔ جن میدانوں میں گرد اڑ رہی تھی۔ ان کے دامن تر ہوں ٹھنڈی ہوائیں چلیں۔ درختوں کی سوکھی ٹہنیاں جن کے پتے بھی جھڑ گئے تھے۔ وہ پھر سرسبز ہوں۔ غلّہ کے انبار جو دہقان کھیتوں کی مٹی میں بکھیر آیا ہے اور اس طرح اپنا اندوختہ برباد کر چکا ہے۔ وہ بیج بنکر اگیں۔ یہ اسی کی کار فرمائی ہے۔ کہ بارانِ رحمت سے پہلے ہوائیں بھیجتا ہے۔ کہ مینہ برسنے کی خوشخبری

پہونچائیں۔ جب وہ ہوائیں بوجھل بادل سے اڑتی ہیں۔ تو وہی ہے جو انھیں کسی مردہ زمین والی بستی کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔ پھر اُن سے پانی برساتا ہے۔ زمین سے ہر طرح کے پھل پیدا کرتا ہے۔ (سورہ ۷ اعراف آیات ۵۷)

(د)

یہ اونچے اونچے سیاہ پہاڑ، ان کی رنگ برنگ چوٹیاں، سرخ سفید اور حیرت انگیز ابری نما پتھروں کے تودے دامنِ کوہ میں پھیلی ہوئی وادیاں، وادیوں کے آغوش میں بہنے والے چشمے، میلوں میں پھیلی ہوئی جھیلیں، صحرا اور ریگستان ــــ اور ان کے سینوں میں دبی ہوئی کانیں، ندیوں کے کناروں پر کھادر، جنگلات یا بنجر زمینیں تمھیں خواہ کتنے ہی بے جوڑ اور بدنما نظر آئیں۔ مگر قدرت نے ان میں وہ صلاحیتیں رکھ دی ہیں۔ جن کے ظہور اور نمود نے نوع انسان کے تمدّن کو ذلت اور حقارت کے غار سے نکال کر تمدّن کی بلند چوٹیوں پر پہونچا دیا ہے اور ان چوٹیوں کو آئے دن بلند کر رہا ہے۔

کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل کیا۔ اس سے پھل پیدا کیے۔ جنکی قسمیں مختلف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ بنائے۔ پہاڑوں کے بھی مختلف حصّے ہیں۔ سفید، سرخ اور بہت گہرے سیاہ۔ اور اسی طرح آدمیوں جانوروں اور چوپاؤں میں بھی وہ ہیں جنکی رنگتیں مختلف ہیں۔ جو جوہر صاحبِ دانش کو غور و فکر کی دعوت دیتی ہیں صحیح عالم یہی غور و فکر کرنیوالے ہیں اور یہی عالم وہ ہیں۔ جو خدا سے ڈرتے ہیں۔ (اور خوف و خشیہ کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں) دیکھئے (سورۂ [illegible])

(۷)

تربیت اور ارتقاء (درجہ بدرجہ صلاحیتوں کا ظہور اور ان کا آگے بڑھنا)

زمین، سمندر، ہوائیں اور پہاڑ وغیرہ بطور مثال پیش کئے گئے کہ وہ کسب (محنت اور کمائی) جس پر انسان کو ناز ہے وہ کس طرح ان ذرائع کا محتاج ہے۔ لیکن ابھی ایک رشتہ کا تذکرہ باقی رہ گیا جو رموزِ کائنات پر غور کرنے والے کے لئے نہایت دلچسپ اور دلکش ہے۔ اس رشتہ کی تعبیر ایک لفظ سے کی جا سکتی ہے "تربیت" جس کی دوسری تعبیر ہے تدریجی ارتقاء۔ اس کی تفسیر و تشریح کے لئے آپ ہر چیز کی صلاحیتوں پر نظر ڈالئے پھر غور فرمایئے کہ وہ صلاحتیں کس طرح بروئے کار آتی ہیں اور قدرت ان کو بروئے کار لانے میں کس طرح انسان کی مدد کرتی ہے۔ اگر قدرت کا یہ تعاون نہ ہو تو انسان کے لئے کوئی بھی "کسب" ممکن نہیں ہو سکتا۔

بے شک یہ زمین جو ہمارے قدموں کے نیچے ہے انسانی ضرورتوں کا خزانہ ہے۔ غلّہ جس پر نوعِ انسان کی بقاء کا مدار ہے اسی زمین کی کوکھوں سے برآمد ہوتا ہے۔ پانی کے سوت اور چشمے بھی زمین کی آنتوں کے ناسور میں جو حیاتِ انسان کے لئے سرمایۂ بقا ہیں۔ آسمان سے بارش برسی، غلّہ پیدا ہوا۔ باغ شاداب ہوئے۔ باغوں کے درخت پھلوں سے لد گئے۔ مگر کیا بارش برستے ہی ایسا ہو گیا کہ کھیت کے دامن غلّہ سے بھر گئے یا درجہ بدرجہ بہت سے مرحلے پیش آئے۔

ان کے بعد ایسا ہوا کہ دہقان کے کھلیان میں غلّہ کے انبار لگے۔ ظاہر ہے دفعتاً ایسا نہیں ہوا بلکہ بہت سے مرحلے پیش آئے۔ یہ مرحلے درجہ بدرجہ پیش آئے۔ اور جہاں ضرورت سے کمی زیادتی ہوئی، ترقی کی رفتار رک گئی یا بالکل ختم ہوگئی اور تمام امیدوں پر پانی پھر گیا۔ پس ہر چیز کی صلاحیت کا لحاظ رکھنا۔ درجہ بدرجہ اس صلاحیت کا اظہار اور ہر درجہ پر اس کے مناسب اسباب فراہم کرنا اور ان کی نگرانی رکھنا کہ وہ نتیجہ خیز ہوسکیں باعثِ بربادی نہ ہوں۔ یہ ایک سلسلہ ہے۔ یہ تدریجی ارتقا ہے۔ یہ صرف قدرت کا فیضان ہے۔ پنجۂ انسان کی انگلیاں نہ اس کو چھوتی ہیں نہ چھو سکتی ہیں۔

کیا تم دیکھتے ہو اپنے کھیتوں کو جن کی تم کاشت کرتے ہو۔ کیا کاشت تم کرتے ہو یا کاشت کرنیوالے دراصل ہم ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اس کو چورا چورا کر دیں۔ پھر تم حیران پریشان کہتے پھرو (ہائے) ہم پر تاوان پڑ گیا۔ بلکہ ہم تو محروم رہ گئے۔ اچھا بتاؤ جس پانی کو تم پیتے ہو، اس کو بادلوں سے تم برساتے ہو یا برسانے والے ہم ہیں۔ اگر ہم چاہیں اسکو کرڈالیں کڑوا۔ سو تم شکر کیوں نہیں کرتے۔

(سورہ ۵۶ الواقعہ۔ آیت ۶۳ تا ۷۰)

دوسرے موقع پر ارشاد ہے۔

کیا تم دیکھتے ہو کہ اللہ تعالٰی نے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر زمین میں اس کے چشمے رواں کر دیئے۔ پھر اس پانی سے رنگ برنگ کھیتوں کو لہرا دیا۔ پھر ان کے نشو و نما کو ترقی دی۔ پھر تم دیکھتے ہو

کہ پک کر تیار ہوتے ہیں اور پختگی کا رنگ ان میں نمایاں ہو جاتا ہے۔
(سورہ ۳۹ زمر آیت ۲۱)

دیکھو بلا شبہ اللہ تعالےٰ ہی ہے جو دانوں کو چیرتا ہے۔ گٹھلیوں کو پھاڑتا ہے۔ (وہی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتا ہے۔) کہ جاندار کو بے جان سے نمودار کرتا ہے۔ اور جب جاندار اپنی افادیت ختم کر دیتے ہیں تو ان کی زندگی موت سے بدل دیتا ہے۔ (کہ ارتقار کے راستہ میں رکاوٹ نہ بنیں۔)

وہی ہے جو پردۂ شب کو چاک کر کے صبح نمودار کرتا ہے۔ اس نے رات کو اس لئے بنایا کہ تمہیں سکون حاصل ہو۔

گردشِ آفتاب و ماہتاب کا ایسا ڈھنگ رکھا کہ حساب کا معیار بن سکیں۔ تاروں کی اس طرح صف بندی کی کہ بروبحر کی اندھیریوں میں تم ان سے رہنمائی پا سکو۔ منزلِ مقصود کی سمتیں معلوم کر سکو۔ اسی نے آسمان سے پانی برسایا جس سے ہر چیز کی روئیدگی برآمد کی۔ صلاحیت نشوونما کے پہلے ظہور کے بعد جس پودے نے ہری ہری گردن نکالی اس میں وہ قوت پیدا کی کہ اس میں سے اوپر تلے گندھے ہوئے دانے برآمد کئے۔ کھجور کے درخت ان کی کلیوں میں سے خوشے جنم لیتے ہیں۔ جو پھلوں سے لد کر نیچے لڑھک آتے ہیں۔ (ان کے علاوہ) انگوروں کے باغ، ایسے ہی زیتون اور طرح طرح کے درخت اور انار ہم شکل اور کچھ کی صورتیں بدلی ہوئی۔ جب پھل آتا ہے تب بھی دیکھنے کے قابل اور جب پکتے ہیں تب بھی ان کا نظارہ

قابل دید۔ (سورہ نمبر ۶ الانعام آیت ۹۴۔ ۹۹ ایضاً۔ آیت ۱۴۱۔ سورہ نمبر ۱۰ یونس آیت ۵۔ ۶۔ ایضاً آیت ۶۷۔ سورہ نمبر ۱۶ النحل آیت ۱۵۔ ۱۶ ایضاً آیت ۶۶۔ ۶۹ سورہ نمبر ۲۰ طٰہٰ آیت ۵۳۔ سورہ نمبر ۲۳ المومنون آیت ۱۸۔ ۲۲۔ سورہ نمبر ۲۴ النور آیت ۴۳ سورہ نمبر ۲۵ الفرقان آیت ۴۵ تا ۴۹ سورہ نمبر ۳۲ السجدہ آیت ۲۷۔ سورہ نمبر ۳۰ روم آیت ۴۸۔ ۵۱۔ سورہ نمبر ۳۶ یٰسٓ آیت ۳۳۔ ۳۶ سورہ نمبر ۵۵ الرحمٰن آیت ۱۰ تا ۲۵ سورہ نمبر ۵۶ الواقعہ آیت ۶۳۔ ۷۲۔ سورہ نمبر ۷۸ النبا آیت ۶ تا ۱۶ سورہ نمبر ۸۰ عبس آیت ۲۵۔ ۳۲۔

(و)

تقدیر و تحدید اسی سلسلہ کی ایک کڑی وہ بھی ہے جسے تقدیر و تحدید کہہ سکتے ہیں۔ یعنی اسباب و ذرائع کے سلسلہ میں جو بھی ہے وہ ایسے مخصوص انداز اور ایسی حد بندی کے ساتھ ہے جو درجاتِ ارتقاء کے عین مناسب اور نظامِ تربیت کے لئے باعثِ تقویت ہوتا ہے۔ یہ تناسب اور تقدیر و تحدید نہ ہو تو نظامِ ارتقاء معطل ہو جائے۔

ہوا، پانی، گرمی، سردی، روشنی اور اندھیری جو کچھ بھی ہے دامنِ قدرت کسی کے لئے بھی تنگ نہیں ہے۔ کیا سمندروں کی لہروں اور سیلاب کے طوفانوں کے لئے ماہرینِ سائنس نے پیمانے بنائے ہیں۔ ماہرین موسمیات بارشوں کی آمد کی خبر دے دیتے ہیں۔ لیکن ان بارشوں پر کوئی پابندی نہیں لگا سکتے ہیں کہ اتنے انچ سے زیادہ بارش نہ ہو۔ یہ صرف قدرت کی تقدیر و تحدید اور اسکی پیمائش و حد بندی ہے کہ وہ ان تمام بے پناہ، بے لگام بلکہ سرکش طاقتوں کے لئے حد مقرر کرتی ہے۔ اور ان کے قدم اس حد سے آگے نہیں بڑھنے دیتی۔ ارشادِ ربانی ہے۔

اللہ کے یہاں ہر چیز کا انداز مقرر ہے۔ (سورہ ۱۳ رعد آیت ۸)

ہم جتنی چیزیں بھی پیدا کی ہیں ایک انداز کے ساتھ پیدا کی ہیں۔

(سورہ ۵۴ القمر آیت ۴۹)

اور کوئی شے نہیں جس کے ہمارے پاس ذخیرے موجود نہ ہوں۔ لیکن ہمارا قاعدہ یہ ہے کہ ہم جو کچھ نازل کرتے ہیں ایک مقررہ مقدار میں نازل کرتے ہیں۔ (سورہ ۱۵ الحجر آیت ۲۱)

دیکھو ہم نے آسمان سے ایک خاص انداز کے ساتھ پانی برسایا پھر اسے زمین پر ٹھہرائے رکھا۔ (تالاب اور جھیلیں بھر دیں) اور ہم اس پر بھی قادر ہیں۔ کہ جس طرح برسایا تھا اسی طرح اسے لے جائیں۔ (مثلاً تیز ہوائیں چلا کر خشک کر دیں۔) (سورہ ۲۳ المومنون آیت ۱۸)

(۳)

بقا را نفع اسی تربیت اور تدریجی ارتقا کا تقاضا ہے کہ نفع بخش چیز کو باقی رکھا جائے اور جو چیز نفع سے خالی ہو کر نفع بخش کے راہ میں رکاوٹ بننے والی ہو اس کو ہٹا دیا جائے۔ کارپردازانِ قدرت اسی عمل کو جاری رکھتے ہیں تاکہ تدریجی ترقی کی شاہ راہ رکاوٹوں سے محفوظ رہے۔

سورہ ۱۳ رعد کی آیت ۱۷ کا مضمون مطالعہ کیجئے۔

"اللہ تعالےٰ نے آسمان سے پانی برسایا تو ندی نالوں میں جس قدر سمائی تھی اس کے مطابق وہ بہ نکلے۔ پانی کے ساتھ بہت سا کوڑا کرکٹ بہ آیا تھا۔ یہ پانی کی سطح پر جھاگ بن کر اوپر اٹھ آیا تھا سیلاب

اس ابھرے ہوئے جھاگ کو بہا کر لے گیا۔ نکھرا ہوا پانی نیچے رہ گیا۔ اسی طرح جب زیور یا اور کسی طرح کا سامان بنانے کے لئے (مختلف قسم کی دھاتیں آگ میں تپاتے ہیں۔) تو اس میں بھی ایسا ہی جھاگ اٹھتا ہے۔

اللہ تعالےٰ حق و باطل (نفع بخش اور غیر مفید) کی مثال اسی طرح بیان کرتا ہے۔ جھاگ رائیگاں جاتا ہے (کیونکہ اس میں نفع نہیں تھا۔ اور وہ سلسلۂ ارتقاء میں رکاوٹ بن سکتا تھا۔) اور جو انسانوں کے لئے نفع بخش ہوتا ہے وہ زمین میں باقی رہ جاتا ہے۔"

(ح)

فیضانِ قدرت کی یہ جھلکیاں جو صفحاتِ بالا میں پیش کی گئیں۔ جن کا پرتو اگر نہ ہو تو انسان کا کسب وجود میں ہی نہیں آسکتا اور اس کی محنت سودمند نہیں ہو سکتی۔ یہ سب وہ ہیں جو انسان کے وجود سے باہر ہیں۔ لیکن خود وجود انسانی میں کتنی قوتیں ہیں جو قدرت کا انمول اور بے مثال فیضان ہیں۔ جو اگر نہ ہوں تو انسان تو خس و خاشاک سے بھی زیادہ بیکار ہے۔ ان کا تذکرہ اگرچہ بے حد لطیف ہے۔ مگر اتنا طویل ہے کہ ان صفحات میں اس کی گنجائش نہیں نکالی جا سکتی۔ مختصر یہ کہ اگر انسان کے ہاتھ، پاؤں آنکھ، کان وغیرہ۔ اعضاء نہ ہوں تو کیا کوئی کسب وجود میں آسکتا ہے۔

ماہرینِ سائنس کو اپنے دماغوں پر ناز ہے۔ مگر کیا وہ اس آئینہ صداقت ارشادِ ربانی کے کسی ایک نقطہ یا شوشہ کا بھی انکار کر سکتے ہیں۔ جس کا مفہوم یہ ہے۔

اللہ تعالےٰ نے تمھیں شکم مادر سے اس حالت میں برآمد کیا تھا۔ کہ تمھیں کسی بات کا علم نہیں تھا۔ یہ اس کا فضل و احسان ہے کہ اس نے تمھیں وہ قوتیں عطا فرمادیں جن کے ذریعہ تمکو علم حاصل ہو سکے۔

اس نے تمھیں کان بخشے، آنکھیں عطا فرمائیں جن کے ذریعہ محسوسات کا مشاہدہ ہوتا ہے اور دل و دماغ کے لئے سامان غور وفکر فراہم ہوتا ہے۔ دل و دماغ ان مشاہدات ہی کی شکنوں میں غور وفکر کی بجلی دوڑا کر کائینات کے سربستہ راز معلوم کرتے ہیں جن سے سائنسی ایجادات کا سلسلہ جاری ہوتا ہے۔ (سورہ ۱۶ النحل آیت ۷۸)

بلاشبہ وہی ذات واحد ہے جس نے تمہارے لئے سمع و بصر اور دلوں کو بنایا اور ان کو نشوونما عطا فرمایا۔ (سورہ ۶۷ الملک آیت ۲۴)

(ط)

بیان کافی طویل ہوگیا۔ مگر اللہ تعالےٰ کے انعامات کی گنتی پوری نہیں ہوئی۔ اور واقعہ یہ ہے وہ گنتی پوری ہو ہی نہیں سکتی۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔ اگر تم شمار کرنا چاہو اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کا تو ممکن نہیں ہے کہ ان کی گنتی پوری کر سکو۔ (سورہ ۱۴ ابراہیم آیت ۳۴)

(سورہ ۱۶ النحل آیت ۱۸)

فیضان قدرت دم بدم

اور تم شمار کس طرح کر سکتے ہو تم ایک ہو اور ہمہ گیر فیضان سے فیض پانے والے بیشمار کائینات کے ذرّہ ذرّہ کو جو صلاحیت عطا ہوئی ہے وہ اپنی ترقی کے ہر قدم پر رب ذوالجلال سے درخواست کرتی ہے کہ اس کو اگلے

قدم کی طاقت عطا ہو۔ عدم کی ظلمت ختم ہو۔ وجود کی روشنی جھلکے۔ حضرت حق جل مجدہ سورہ رحمٰن کی آیت ۲۹ میں اسی حقیقت کو ظاہر فرماتے ہیں۔ ارشاد ہے۔

"اس سے (خدا) سے مانگتے رہتے ہیں وہ سب جو آسمان وزمین میں ہیں۔"

یہ شان ہے سائلین کی۔ عطا کرنے والے کا حال یہ ہے۔

"ہر لمحہ اس کی شان نرالی ہے۔" (سورہ ۵۵ رحمٰن آیت ۲۹)

اب تم ذرّوں کو گنو۔ ذرّوں کی مانگوں کو گنو۔ ان مانگوں پر عطار ربّانی کے ستاروں کو شمار کرو۔ دوسری طرف اپنی محنت، کسب، جدّوجہد اور اس سعی و کوشش کو جس پر تمہیں ناز ہے۔ چشم حقیقت بیں کے گوشہ سے دیکھو۔ اگر تمہاری فطرت انصاف سے محروم نہیں ہوئی ہے تو کیا ایک لمحہ کے لئے بھی شک و شبہ کر سکتے ہو کہ

محنت، اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان، حاصل محنت اللہ تعالےٰ کا فضل و اکرام اور جس کو آپ اپنی دولت کہتے ہیں وہ حضرت رب العالمین ذوالجلال والاحسان کا فضل و انعام۔

(ی)

حضرات علمار قرآن حکیم کے بہت سے معجزے بیان فرمایا کرتے ہیں۔ مضمون زیر تحریر کے لحاظ سے قرآن حکیم کا ایک معجزہ یہ ہے کہ "برّ" اور نیکی کی تعریف کرتے ہوئے ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر جیسے بنیادی عقائد کے بعد سلسلۂ عمل میں جس موضوع کو سب سے مقدم رکھا وہ مال محبوب کا خرچ کرنا ہے جس کا تعلق اقتصادیات سے ہے۔

عقاید تعمیر دین کی خشتِ اوّل ہیں تو اقتصادیات تعمیر دنیا کا سنگ بنیاد۔ عقائد بندہ کا رشتہ رب العالمین سے جوڑتے ہیں۔ تو صالح اقتصادیات بندگان رب العالمین کو آپس میں شیر و شکر کرتے ہیں اور اس خدمت کا موقع دیتے ہیں جس کو طریقت کا لب لباب کہا گیا ہے ۔ع ۔ طریقت بجز خدمتِ خلق نیست

تقسیم دولت

کلام الٰہی نے دولت کو اللہ تعالیٰ کا فضل و انعام قرار دیا کہ مالک حقیقی اللہ تعالیٰ عزاسمہٗ ہے اور ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ مالک حقیقی کی امانت ہے۔ فارسی شاعر نے اسی عقیدہ کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ؎

در حقیقت مالک ہر شے خداست

این امانت چند روزہ نزد ماست

اس امانت میں حق تصرف دیا گیا ہے۔ یہ انسانی ملکیت کی حقیقت ہے۔ مگر تصرف مالک کی مرضی کے مطابق ہونا چاہیئے۔ جائز تصرف وہی ہوگا جو رضاء مالک کے مطابق ہوگا۔ ورنہ خیانت اور تغلب ہوگا۔

جائز و ناجائز کی تفصیلات بہت طویل ہیں۔ ان کے لئے

مستقل تصانیف درکار ہیں۔اس مختصر تحریر میں ان تفصیلات کے بنیادی اصول بیان کئے جا رہے ہیں جن کو بنیادی نکات کہا جاسکتا ہے۔

سب سے پہلا بنیادی اصول یہ ہے کہ تقسیم دولت فرض ہے۔اور اکتناز (جوڑ کر رکھنا) حرام۔ارشادِ ربانی ہے۔

(الف) وہ جو خرچ کرتے ہیں۔دن اور رات پوشیدہ اور اعلانیہ تو ان کے لئے ان کے رب کے یہاں اجر عظیم ہے۔اور انہیں نہ کوئی خوف ہو گا نہ غم۔ (سورہ ۲ بقرہ آیت ۲۷۴)

(ب) وہ جوڑ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی نہیں خرچ کرتے اس کو راہِ خدا میں، ان کو خوشخبری سنادو دردناک عذاب کی۔اس روز کہ اس سونے چاندی کو نارِ جہنم میں تپایا جائے گا اور اس سے داغا جلئے گا۔ان کی پیشانیوں کو، ان کی کروٹوں اور کمروں کو اور کہا جائے گا یہ ہے وہ جو تم جوڑ جوڑ کر رکھا کرتے تھے اپنے لئے۔پس چکھو اس کو جس کو تم نے اپنے لئے جوڑ جوڑ کر رکھا تھا۔ (سورہ ۹ توبہ آیت ۳۴و۳۵)

لیکن بلا مقصد شب و روز دولت کی تقسیم بھی اسراف ہے۔ اس کو شکر نہیں کہا جا سکتا بلکہ صرفِ بے مقصد اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کی توہین ہے۔ایسے بے محل صرف کرنے والے کو اخوان الشیاطین کہا گیا ہے۔ (سورہ ۱۷ بنی اسرائیل آیت ۲۷)

مگر تقسیم بامقصد کے لئے سب سے پہلے غور کرنا ہو گا کہ خود دولت کا مصرف کیا ہے۔اللہ تعالیٰ دولت مند بناتا ہے تو اس کی حکمت

کیا ہوتی ہے۔ اور دولت مند بننے والے کا مقصد اور اس کا فرض کیا ہے۔ اور تقسیم دولت کا مقصد کیا ہونا چاہیئے۔ ذیل کے عنوانات ملاحظہ فرمایئے۔ امید ہے کہ ان کے جوابات سے آپ محظوظ ہونگے۔

دولت کا مقصد | معیشت۔ یعنی زندگی گذارنے کا سامان اور کار برآری۔ (سورہ ۷ الاعراف آیت ۱۰) (سورہ ۴۳ زخرف آیت ۳۲)

دولت مند بنانے کا مقصد | ابتلاء و امتحان یعنی یہ کہ جب انسان اپنے ہرے بھرے کھیت، شاداب باغات، عالیشان فیکٹریاں، عظیم الشان کارخانے دیکھے تو اس کے ضمیر کا احساس و اعتراف یہ ہو۔

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے۔ یہ اس کا لطف و کرم ہے کہ اسی نے مجھے اس احسان سے نوازا۔ میری اپنی طاقت کچھ نہیں ہے نہ میری تدبیر کارآمد، نہ میری قوتِ عمل نتیجہ بخش۔ جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔

یا قارون کی طرح یہ کہے ــــ یہ جو کچھ ہے میری فنی مہارت کا نتیجہ ہے۔ کسی کا کیا احسان؟

(خلاصہ آیات ۳۲۔ ۴۴۔ سورہ ۱۸ کہف و آیت ۷۷، ۷۸، سورہ ۲۸ قصص)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے جب ملکہ بلقیس کے ہدایا پیش ہوئے تو آپ نے فرمایا "جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو عطا فرمایا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے جو تمہارے پاس ہے۔

(سورہ ۲۷ النمل آیت ۳۶)

لیکن یہ بہتر جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ہے وہ کیا ہے اور کیوں ہے؟ تو حضرت سلیمان علیہ السلام فرماتے ہیں یہ میرے رب کا فضل واحسان ہے اور اس لئے ہے کہ وہ میرا امتحان لے کہ میں اس کے فضل و انعام کا اعتراف کرتے ہوئے اس کا شکر ادا کرتا ہوں۔ یا چشم انصاف کو بند کر کے اس کے فضل و احسان کا انکار کرتا ہوں اور کافر و ناسپاس بنتا ہوں۔

(سورہ ۲۷ النمل آیت ۴۰)

دولت مند کا فرض (الف) قارون سے کہا گیا تھا جس طرح اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا ہے اسی طرح تم بھی احسان کرو۔ (سورہ ۲۸ قصص آیت ۷۷)

(ب) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ دو ان کو (ضرورتمندوں) کو اللہ کے اس مال میں سے جو اللہ تعالیٰ نے تم کو دیا ہے۔ (سورہ ۲۴ النور آیت ۳۳)

یعنی دولت کا مفاد یہ ہونا چاہیئے کہ احسان و انعام و لطف و کرم۔ احسان مندی اور شکر گذاری کی فضا جلوہ گر ہو۔ دولت مند رب ذوالجلال کا شکر گذار ہو اور خلق خدا پر احسان کرے۔ خلق خدا جب اس کے لطف و کرم سے فیضیاب ہو گی۔ تو اس کے دل میں محبت اور خیر خواہی کا جذبہ پیدا ہو گا۔ اس طرح انسانی اخوت کی چادر پھیلے گی اور گلشن انسانیت بارآور ہو گا۔

اسلام یہ ہرگز گوارا نہیں کرتا کہ دولت جس کے معنی ہیں ـــ "لین دین" اس کی گردش چند افراد میں منحصر اور محصور ہو کر رہ جائے۔

تقسیم دولت کا مقصد (الف) تزکیہ باطن۔ یعنی بخل، حرص، طمع خود غرضی، حب مال جیسی ذلیل خصلتوں سے دل کو پاک کرنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا تھا۔ (اے رسول) ان لوگوں کے مال سے صدقہ لو کہ ان کو (بخل وغیرہ کی بری خصلتوں سے) پاک کرو اور ان کا تزکیہ کرو۔ (یعنی ان کو سدھاؤ اور ان کی تربیت کرو کہ ہمدردی خلق خدا، سخاوت، سیر چشمی اور امداد باہمی جیسے اخلاق کے وہ عادی ہو جائیں اور یہ باتیں ان کی طبیعت ثانیہ بن جائیں) ان میں جذبہ ایثار جلوہ گر ہو کہ وہ دوسروں کی ضرورت کو مقدم رکھیں۔ جیسے حضرات انصار کے متعلق ارشاد ربانی ہے۔ کہ وہ حضرات مہاجرین کو اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ خود ان کو سخت ضرورت اور حاجت ہوتی ہے اور وہ ضرورت مند ہوتے ہیں۔ (سورہ ۵۹ حشر آیت ۹)

(ب) ضرورتمندوں کی امداد۔

(ج) قومی، ملی اور ملکی ضرورتوں کو پورا کرنا۔ تقسیم دولت کے مقصد پر بحث کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سامنے رہنا چاہیئے کہ میں ان سے (عبادت گذاروں سے) کسی رزق کی خواہش نہیں رکھتا۔ نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلا کھلایا کریں۔ وہ ذات برحق جو اللہ ہے۔ وہ خود رزاق ہے۔ بہت مضبوط طاقت رکھنے والا۔ (سورۃ الذاریات آیت) اے لوگو محتاج تم ہی ہو۔ (اللہ محتاج نہیں) وہ بے نیاز ہے مستحق حمد ہے (سورہ ۳۵ فاطر آیت ۱۵)

اس کے بعد سورہ محمد کی آخری آیت کا ترجمہ مطالعہ فرمایئے جو تقسیم

دولت کے مقصد پر روشنی ڈال رہی ہے۔ اس آیت میں اصحاب دولت کو خطاب ہو رہا ہے۔ مضمون یہ ہے۔

دیکھو، دیکھو۔ تم ہی کو، خاص تم ہی کو دعوت دی جا رہی ہے۔ کہ راہِ خدا میں خرچ کرو۔ پھر تم میں سے کچھ وہ ہیں جو (خرچ نہیں کرتے) بخل کرتے ہیں۔ یاد رکھو جو بخل کرتا ہے وہ خدا سے نہیں خود اپنے آپ سے بخل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں وہ بے نیاز ہے (یہ تعلیمی، تعمیری، ترقیاتی اور دفاعی ضرورتیں خود تمہاری ضرورتیں ہیں جن کی بنا پر اگر تم اپنی حیثیت میں دولت مند اور مستغنی بھی ہو تب بھی) ضرورت مند ہو۔ (اس حقیقت کو سمجھو اور پورے حوصلہ سے خرچ کرو) اور اگر خرچ سے منہ موڑتے ہو (تو یقین رکھو تباہی اور بربادی تمہارا انتظار کر رہی ہے۔ مگر برباد تم ہو گے۔ خداوند عالم کی ذات بے نیاز ہے۔ اسے کبھی زوال نہیں۔ تم فنا ہو جاؤ گے) تو اللہ تعالےٰ کسی دوسری قوم کو تمہارا بدل کر دے گا۔ وہ تم جیسے نہیں ہوں گے۔

(سورہ ۴۷ آیت ۳۸)

تشریح | اس کی تشریح یہ ہے کہ غریبوں کا پیٹ بھر دینا، ضرورتمندوں کی ضرورتیں پوری کرنا، بیمار کی تیمارداری، یتیم کی پرورش۔ اگرچہ بابرکت کارِ خیر ہیں۔ مگر ان سے ملّت کی تمام ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں۔

امت اسلامیہ جس کا فرض منصبی یہ ہے کہ (حق و صداقت کی علمبردار بن کر پوری دنیا کو مشاہدہ کرائے کہ حق بلند رہتا ہے وہ مغلوب نہیں ہوتا۔ اور وہ دستور اساسی اور کانسٹی ٹیوشن یا مینوفیسٹو

جس کو "کلمۃ اللہ" اور قانون خداوندی کہنا چاہیئے صرف اسی کو حق حاصل ہے کہ وہ بلند و بالا رہے۔ (سورہ ۹ توبہ آیت ۴۰)

وہ اپنے نصب العین میں کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک روحانی عظمت و احترام، اخلاقی برتری اور شریفانہ اقتدار کے ساتھ مادی ترقیات میں بھی اس کا قدم سب سے آگے نہ ہو اور اتنا آگے کہ دوسرے قدم وہاں تک پہونچتے پہونچتے تھک جائیں۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

"حریفوں کے مقابلہ کے لئے اپنی طاقت، یعنی ایسا تمام فوجی، دفاعی اور جارحانہ سامان تیار رکھو جس سے ان کو مرعوب اور ہیبت زدہ کرتے رہو جو موجودہ حریف و مقابل ہیں۔ ان کے علاوہ وہ بھی مرعوب رہیں جن کے متعلق مستقبل میں خطرہ پیش آنے والا ہو۔ اور اس پر جو کچھ خرچ کرو گے اس کا پورا پورا اجر اللہ کے یہاں تم کو دیا جائے گا۔

(سورہ ۸ الانفال آیت ۶۰)

اس آیت کا منشاء یہ ہے کہ صرف دفاعی نہیں بلکہ جارحانہ اقدامی طاقت بھی اتنی مضبوط اور مستحکم ہو کہ سرد جنگ میں دوسری قومیں ہیبت زدہ رہیں۔ اس درجہ طاقت فراہم کرنے کے لئے کتنی دولت کی ضرورت ہے۔ تقسیم دولت کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ اس ضرورت کو پورا کیا جائے خواہ اس کے لئے کتنی ہی قربانی کرنی پڑے۔

اس ضرورت سے چشم پوشی کی جائے۔ تو اگرچہ آپ کی تجوریاں سنہری سکوں سے بھری ہوئی ہیں مگر آپ اپنے ہاتھوں ملت کو تباہ کر رہے ہیں۔ ملت تباہ ہو گی تو یقیناً آپ بھی تباہ و برباد اور ذلیل و خوار ہوں گے۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

راہِ خدا میں خرچ کرد اور خود اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اور لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

(سورہ ۲ البقرہ آیت ۱۹۵)

تقسیم دولت کی قسمیں

(۱) پہلی قسم "فریضۃ من اللہ" یعنی وہ تقسیم جو اللہ کی طرف سے مقرر فرمادی گئی ہے اس کی تعین و تشخیص میں حکومت کا کوئی دخل نہیں ہے۔ حکومت اس کا مطالبہ نہ کرے یا بالفرض حکومت معاف کر دے تب بھی صاحبِ ایمان اس سے سبکدوش نہیں ہوتا۔ یہ فریضہ زکوٰۃ ہے اور اس سے ملحق واجبات مثلاً صدقہ فطر یا عشر (جس کو زکوٰۃ الارض کہا جاتا ہے) یہ صاحب نصاب پر ہر سال اس طرح لازم ہوتا ہے کہ جیسے ہی سال کے آخری دن کی شام ہو، دولت کا یہ حصّہ اس کی ملک سے نکل کر ضرورت مند مستحق کا حق بن جاتا ہے۔ یہ حصّہ اس کا نہیں رہتا۔ وہ اگر اس میں تصرف کرتا ہے تو دوسرے کے حق میں تصرف کرتا ہے۔ اور اس کی آمیزش سے اپنے پورے سرمایہ کو ناپاک کر لیتا ہے۔

اس کا مصرف بھی متعین ہے کہ صرف ضرورت مند مسلمانوں کو یہ رقم دی جاسکتی ہے۔ حکومت یا ملّت کے دوسرے کاموں میں

خرچ نہیں کی جا سکتی۔

(۲) دوسری قسم وہ ہے جس کو فریضۃ من اللہ نہیں فرمایا گیا۔ بلکہ اس کو قرض حسن یا احسان یا انفاق فی سبیل اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ من جانب اللہ مقرر اور محدود نہیں ہے۔ اس کا تعلق ملی اور قومی ضرورتوں سے ہے۔ اس کی کوئی حد بھی مقرر نہیں ہے۔ اس کی حد مقرر کرنا ان کا فرض ہے۔ جو امت کے اولی الامر ہیں۔ (ارباب حل و عقل اور اصحاب اقتدار)

اس سلسلہ میں ایک طرف ارشاد ربانی یہ ہے۔ اللہ نے خرید لیں ایمان والوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال۔ وعدہ یہ ہے کہ ان کو جنت ملے گی۔ (سورہ ۹ توبہ آیت ۱۱۱)

دوسری جانب یہ ہے۔ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں۔ آپ فرما دیجئے جو زائد ہو۔ (سورہ ۲ البقرہ آیت ۲۱۹)

اللہ کے لئے قرض
یا قومی قرض
یا قرضۂ جنگ

حکومتیں دفاعی ضرورتوں یا ترقیاتی منصوبوں کے لئے قرض لیتی ہیں۔ کیا عجب ہے قرض کی اصطلاح انھوں نے قرآن حکیم سے سیکھی ہو۔ اگرچہ اس اصطلاح پر جس طرح عمل کیا جاتا ہے۔ وہ

منشار قرآنی کے سراسر خلاف ہے۔ کیونکہ وہ قرض کے مقصد اور منشار
کو مسخ کردیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے، قرآن پاک جس کو قرض کہتا ہے،
اس کا اثر یہ تو ہو سکتا ہے کہ دولت مند کی ابھری ہوئی سطح پست
ہو جائے اور وہ مساوی سطح پر آجائے۔ کیوں کہ اس قرض میں کبھی
پوری دولت کا بھی مطالبہ ہو جاتا ہے کہ جو کچھ افزود ہے اس کو خرچ کر ڈالو۔

(سورہ ۲ البقرہ۔ آیت ۲۱۹)

لیکن یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ غریب کی غربت بڑھ جائے اور
پس ماندہ طبقہ پست سے پست تر ہو جائے۔ امیری اور غریبی میں اگر
پہلے فاصلہ دس گز تھا تو وہ اس سے کہیں زیادہ ہو جائے۔ کیونکہ حکومت
کا قرض سود سے خالی نہیں ہوتا۔ سود مختلف ٹیکس لگا کر عوام سے وصول
کیا جاتا ہے۔ اور قرض دینے والے کو ادا کیا جاتا ہے۔ غریب جو ٹیکس
ادا کرتا ہے اس کے عوض میں اسے کچھ نہیں ملتا۔ لیکن دولت مند کے
ٹیکس کی تلافی اس سود سے ہو جاتی ہے جو اسے دئے ہوئے روپے
پر ملتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی دولت صرف محفوظ ہی نہیں رہتی،
بلکہ مع منافع صحیح سالم واپس ہوتی ہے۔

لیکن دین کامل جس کو قرض کہتا ہے اور جس کا وہ بار بار مطالبہ
کرتا ہے اس کا کوئی منافع قرض دینے والے کو نہیں ملتا۔ اس کے
متعلق منافع کا وعدہ ہے کہ کم از کم دس گنا، سات سو گنا، بلکہ اس سے بھی
زائد دیا جائے گا، مگر دنیا میں نہیں آخرت میں اللہ تعالٰی کے خزانہ عامرہ
سے دیا جائے گا جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

احساس فرض اور جذبات میں انقلاب

ملّت ہیئت اجتماعی کا نام ہے۔ اس کا وجود افراد کی شکل میں ہوتا ہے۔ پس فرائض ملّت بھی افراد کے فرائض ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ تمام فرائض جو قوم و ملّت یا حکومت کے فرائض قرار دئے جاتے ہیں۔ قرآن حکیم میں ان فرائض کے لئے مسلمانوں کے افراد کو مخاطب فرمایا گیا ہے۔ حتّٰی کہ جہاد جیسے اجتماعی فرض کے لئے بھی خطاب افراد ہی کو ہے جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ○ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ○

اس اسلوب کا فائدہ یہ ہے کہ خود افراد میں احساس پیدا ہو۔ قانون ایک جبر ہوتا ہے۔ اس کے سامنے لوگوں کی گردنیں جھک جاتی ہیں، مگر دل نہیں جھکتے۔ ان کے دلوں کی اصلاح نہیں ہوتی۔ قانون کا تقاضہ کچھ اور ہوتا ہے اور دلوں کا جذبہ کچھ اور بلکہ اکثر و بیشتر مخالف۔ دین کامل اس کو پسند نہیں کرتا۔

انقلابی نعرے عموماً باعث فساد ہوتے ہیں۔ ملک میں ہنگامے برپا کرتے ہیں۔ انقلابی قانون کا نفاذ لبسا اوقات لوگوں کی لاشوں پر ہوتا ہے۔

دین کامل اس کے برخلاف دلوں کی دنیا بدلنا چاہتا ہے۔ اس کا مطمح نظر یہ ہوتا ہے کہ انقلاب خود جذبات میں ہو۔ بخل، خودغرضی، حرص و طمع وغیرہ کے جذبات ختم ہوں۔ ان کی جگہ ایثار، قربانی، عدل و انصاف حق پرستی اور حق پسندی کے جذبات ابھریں۔ وہی طبیعت ثانیہ بن جائیں اور دل و دماغ پر ایسے مسلط ہو جائیں کہ انکے لئے جان دینا بھی انکے لئے آسان ہو جائے بلکہ انکے لئے اپنی جان قربان کر دینے کو اپنے لئے بہت بڑی سعادت اور خوش نصیبی سمجھے

اسلامی جہاد یہی ہے۔ اور اس جہاد کے لئے دشمن کو مارنے کے بجائے اپنے نفس کو مارنا ضروری ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

مجاہد وہ ہے جس نے اپنے نفس سے جہاد کیا ہو۔
مہاجر وہ ہے جو ان سب باتوں کو چھوڑ دے جو حق و صداقت کے خلاف ہیں۔ (بخاری شریف)

جہاد فی سبیل اللہ کی روح دشمن کو مارنا نہیں، وہ ایک وقتی فعل ہوتا ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ خود اپنے آپ کو قربان کرنا ہے۔ یہی ہے اسکی روح یعنی۔ ایثار۔ قربانی ـــــ سراسر قربانی۔

تقسیم دولت کی تیسری قسم یا فریضۃ من اللہ کی دوسری قسم

جب ایک مسلمان اس دار فانی سے رخت سفر باندھنے لگتا ہے اور وقت آتا ہے کہ چار و ناچار اپنے تمام مقبوضات سے دست بردار ہو تو وہ ملکیت جس کی حقیقت عاریت اور امانت تھی اس کا چولہ خود بخود اتر جاتا ہے۔ زندگی میں اس کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ دولت تقسیم کرے اور اخلاقی کمالات پیدا کرے۔ مگر اب ہدایت کرنے کا موقع نہیں رہا۔ کیوں کہ اس کی ملکیت ختم ہو چکی ہے۔ اب مال براہ راست خدا کی ملک میں ہے۔ اس نے اس کے لئے ایک قانون بنا دیا ہے، یعنی قانونِ وراثت۔ اب یہ مال اس قانون کے بموجب تقسیم کیا جائے گا۔ اور کسی کو حق نہیں ہوگا کہ اس میں رخنہ انداز ہو سکے۔ اسی سلسلہ میں ارشاد ربّانی ہے ـــ جو اللہ اور اس کے

رسول کی اطاعت کرے گا، اللہ تعالےٰ اس کو ایسی جنتوں میں پہونچائے گا جن کے نیچے ہمیشہ ہمیشہ نہریں بہتی ہوں گی اور یہ اس کے حق میں بہت بڑی کامیابی ہوگی اور جو اللہ اور اس کے رسول سے سرتابی کرے گا، اللہ تعالےٰ اس کو داخل کر دے گا نارِ جہنم میں۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہے گا اور اس کے لئے عذاب ہوگا ذلیل کرنے والا۔ (معاذ اللہ) (سورۃ النساء آیت ۱۳۔۱۴)

مصارف اور مستحقین وہ محبوب مال جس کے متعلق حکم ہے کہ بِرّ اور نیکی ہرگز میسر نہیں آسکتی جب تک اُس مال کا حصہ راہِ خدا میں خرچ نہ کرو جو تمھیں محبوب ہو۔ سوال یہ ہے کہ یہ مال محبوب کہاں خرچ کرنا چاہیئے۔

بے شک وہ ادارے جو عوام کی ضروریات کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ جن کا تعلق لبسا اوقات حکومت سے بھی ہوتا ہے، جیسے صحت عامہ یا زمانہ قحط میں فاقہ زدہ غریبوں یا زمانہ جنگ میں زخمیوں کی امداد کے ادارے یا اسی طرح کے نیم سرکاری یا غیر سرکاری ادارے جن میں چرچ کا نام بھی لیا جا سکتا ہے۔ ان کو بھی یہ محبوب مال دیا جاسکتا ہے۔ پیشوایان مذہب یا ان کی اولاد کی خدمت بھی اس مال سے کی جا سکتی ہے۔ لیکن مدار استحقاق یہ ادارے نہیں ہوں گے، بلکہ مدار استحقاق وہ ضرورتیں ہوں گی جن کی ذمہ داری ان اداروں نے لی ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں نہ کسی چرچ یا ادارہ کا نام لیا گیا ہے نہ کسی خاندان، نہ کسی پیشوا کا، بلکہ ضرورت مندوں کا نام لیا ہے کہ صدقہ کرنے

اور راہِ خدا میں خرچ کرنے کا مقصد کسی خاندان، کسی طبقہ یا کسی ادارہ کی امداد نہیں بلکہ انفرادی اور اجتماعی ضرورتوں کو پورا کرنا انفاق فی سبیل اللہ اور قرض فی سبیل اللہ کا مقصد ہے۔

قریش جن سے اسلام کا آغاز ہوا، ان کی اکثریت نے اگرچہ شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید ترین مخالفت کی۔ مگر انھیں میں وہ بھی تھے جن کو قرآن حکیم نے اَلسَّابِقُونَ الْاَوَّلُونَ (سب سے پہلے سبقت کرنے والے) فرمایا ہے۔

تاریخی عظمت جو ان کو پورے عرب میں حاصل تھی جس کی وجہ سے پورا عرب گویا ان کا حلقہ بگوش تھا۔ اس کی بنا پر یہ تو فرمایا گیا کہ خلافت قریش کا حق ہے۔ مگر مسلمانوں کے مال کا کوئی حصّہ ان کے لئے مقرر نہیں فرمایا گیا۔ بلکہ اس کے برعکس خود ایک ذمہ داری قریش اپنے اوپر لئے ہوئے تھے۔ کہ حج کے موقع پر تمام حج کرنے والوں کے کھانے پینے اور ان کے لباس کا انتظام وہ خود اپنے مال سے کیا کرتے تھے۔ اس کو اسلام میں باقی رکھا گیا۔ ۸ھ میں مکہ فتح ہوا۔ ۹ھ میں انتظام حج مسلمانوں سے متعلق ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افسرِ حج بنا کر بھیجا تو حجاج کی مہمانی کا انتظام بھی ان کے سپرد فرمایا۔ (البدایہ والنہایہ وغیرہ)

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرکزِ ہدایت بانی اسلام جن کے متعلق ارشاد ربانی ہے کہ مسلمانوں کو خود اپنی جان سے زیادہ نبی سے تعلق رکھنا ضروری ہے، صحیح تھا۔ اگر مسلمانوں کے تمام صدقات

ان کے لئے یا ان کی اولاد کے لئے مخصوص کر دئے جاتے۔ مگر اس کے برعکس یہ کیا گیا کہ صدقہ نہ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ آل محمد اور آل محمد کے علاوہ آل ہاشم اور وہ سب جو آل ہاشم کے کسی وقت غلام رہے تھے اور اب آزاد کر دئے گئے تھے، ان سب کے لئے صدقہ حرام قرار دیا گیا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معصوم نواسہ نے صدقہ کے ذخیرہ میں سے اٹھا کر ایک چھوہارہ منہ میں ڈال لیا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپاک چیز کی طرح اس کو عزیز بچہ کے منہ سے نکال دیا اور فرمایا اخ اخ۔ تم نہیں جانتے ہو، ہم صدقہ نہیں کھایا کرتے۔ (صحاح)

یہ ایک رخ ہے اب دوسرا رخ ملاحظہ فرمایئے جو اس سے بھی زیادہ عجیب ہے۔ اس بنا پر کہ قرآن حکیم میں فرمادیا گیا ہے کہ مسلمانوں کا تعلق نبی سے اتنا زیادہ ہے کہ خود اپنی جانوں سے وہ تعلق نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمادیا کہ جو مسلمان ترکہ چھوڑے وہ اس کے وارثوں کا ہے۔ محمدؐ یا آل محمدؐ کا اس میں کوئی حصّہ نہیں۔ اور جو مسلمان ترکہ نہ چھوڑے اور اس کے ذمّہ قرض ہو اس کا قرض اور اس کے یتیم بچوں کی پرورش محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمّہ ہے۔ اس لئے کہ اس مسلمان کا تعلق نبی سے اتنا تھا کہ اتنا تعلق اس کا خود اپنی جان سے نہیں تھا (بخاری وغیرہ)

یعنی نہ صرف غریب مرنے والے کے بچوں کا تکفل آپ نے فرمایا بلکہ اس کے قرض بھی اپنے ذمّے لے لئے۔ (یہ ہے وہ بات جسکی خبر کلیسا اور چرچ کو نہ ہونی چاہیئے کیونکہ یہ ان کے مزاج کے خلاف ہے۔)

یہ حین حیات کا حکم تھا۔ وفات کے بعد یہ حکم ہوا کہ جو کچھ ترکہ ہے وہ آپ کے وارثوں کا نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے صدقہ (وقف) ہے۔

بیشک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کے نفقہ کا انتظام ضروری قرار دیا۔ عام مسلمانوں کی بیویوں کا یہ حکم نہیں ہوتا کہ شوہر کی وفات کے بعد ان کو ہمیشہ نفقہ ملتا رہے کیونکہ انکو شوہر کا ترکہ ملتا ہے نیز انکو حق ہوتا ہے کہ وہ کسی سے نکاح کرلیں۔ یہ شوہر اسکے خرچ کا ذمہ دار ہوگا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج کو یہ موقع حاصل نہیں تھا کیونکہ آپ کا ترکہ وقف تھا۔ اور آپ کی بیویوں کے لئے کسی اور شخص سے نکاح کرلینا حرام قرار دیدیا گیا تھا گویا وہ تمام عمر عدّت میں رہیں اور زمانہ عدت کا خرچ متوفی شوہر کے ترکہ سے دیا جاتا ہے۔

بہرحال جو صدقہ فریضۃ من اللہ ہے یعنی زکوۃ صدقہ فطر، اس کے مستحق صرف فقرا اور ضرورت مند ہیں۔ بشرطیکہ وہ سادات نہ ہوں اور صدقہ دینے والے سے ایسا رشتہ نہ رکھتے ہوں کہ ان کا نفقہ صدقہ دینے والے پر واجب ہو۔ مثلاً ماں باپ اولاد یا بیوی۔ ان کو صدقہ نہیں دیا جائے گا۔ بلکہ ان کا خرچ اس پر ایسے ہی واجب

ہوگا جیسا کہ خود اس پر اپنا خرچ واجب ہوتا ہے۔

البتہ اس درجہ کی قرابت نہ ہو۔ مثلاً چچا، نانا، ماموں، بھائی، بہن جیسا رشتہ ہو جن کا نفقہ اس پر واجب نہیں ہوتا تو مال محبوب کے خرچ کرنے میں یہ زیادہ مستحق ہیں کہ اس صورت میں حق قرابت بھی ادا ہوتا ہے۔ اہل عیال اور ماں باپ کی خدمت اگرچہ رشتہ کی بنا پر کی جاتی ہے۔ مگر اس خدمت کرنے میں اگر یہ نظریہ بھی کار فرما ہے کہ ان کی خدمت اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور میں حکم خدا کی تعمیل کر رہا ہوں تو یہ خدمت بھی اجر عظیم کی مستحق ہوگی۔

(بخاری شریف حدیث ابی مسعود رضی اللہ عنہ ص۸۰۵)

حضرت سلیمان بن عامر فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی غریب مسکین پر صدقہ کا ثواب ایک ہی ملتا ہے۔ لیکن رشتہ دار کو صدقہ دیا جائے تو دو ثواب ملیں گے ایک صدقہ کا ثواب، دوسرا رشتہ دار سے حسن سلوک کا ثواب۔ (ترمذی شریف ص۸۲ ج۱)

الیتامیٰ

حضرت عوف بن مالک اشجعی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ بیوہ عورت غریب و مسکین جس کے چہرہ پر جھریاں پڑ گئی ہوں قیامت کے روز میرے ساتھ اس طرح رہے گی، جیسے یہ دو انگلیاں۔ (شہادت کی انگلی اور اس کے برابر کی بیچ کی انگلی)

یہ شریف خاتون صاحب عزت، صاحب حسن و جمال۔ اس نے اپنے بچوں کی پرورش کے لئے دنیا کی بہاروں سے منہ موڑا۔ اپنی جوانی تج دی، بچوں کی خدمت میں ہی لگی رہی۔ یہاں تک کہ بچے اپنے پاؤں پر

کھڑے ہو گئے یا دنیا ہی سے رخصت ہو گئے۔ یہ یقیناً اس اعزاز کی مستحق ہے کہ میدان حشر میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت حاصل کرے۔ (کتاب الادب، ابوداؤد شریف)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا سب سے بہتر مکان وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو۔ جس کے ساتھ اولاد جیسا برتاؤ کیا جاتا ہو اور اس کو اپنا ہی بچہ سمجھا جاتا ہو۔ اور سب سے برا (منحوس) مکان وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کو اولاد کی طرح نہ سمجھا جاتا ہو اور اس کے ساتھ برا سلوک کیا جاتا ہو۔

(ابن ماجہ شریف من ابواب الادب ص۲۷۰)

حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ دیکھو تمھیں ایسا صدقہ بتاتا ہوں جو سب سے افضل ہے — تمھاری لڑکی جس کو اس کا شوہر چھوڑ دے اور وہ تمھارے سر پڑ جائے۔ تمھارے سوا اس کا کوئی نہ ہو۔ اس کی امداد سب سے بڑا صدقہ ہے۔ (باب بر الوالدین والاحسان الی البنات ابن ماجہ شریف ص۲۶۹)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کا خوف کرتے ہوئے جو شخص یتیم کے سر پر دست شفقت پھیرتا ہے تو اس کے ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے ہر بال کے شمار کے بموجب دس نیکیاں اس کے حق میں لکھی جائیں گی (احمد و ترمذی)

مسکین حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، مسکین وہ نہیں جو در در مانگے۔ کہیں سے ایک لقمہ مل جائے کہیں سے دو لقمے، مسکین وہ ہے کہ نہ اس کے پاس اتنی گنجائش ہو کہ وہ اپنی ضرورتیں پوری کر سکے، اور نہ اس نے اپنی حالت ایسی بنا رکھی ہو کہ لوگ اس کو ضرورت مند سمجھیں اور اس کی امداد کریں (یعنی سفید پوش، خوددار، ضرورت مند)

(بخاری شریف کتاب الزکوٰۃ)

مسکین کی تعریف میں وہ علماء، مشائخ، مصنفین و معلمین بھی آتے ہیں جن کی شان، قرآن کریم کی تعبیر کے مطابق یہ ہے کہ ــــــ "راہِ خدا میں روک لئے گئے ہیں۔ دینی کاموں میں مصروف ہیں۔ ان مشاغل کی اہمیت ان کو اجازت نہیں دیتی کہ وہ ان کو چھوڑ کر کہیں جائیں۔

وہ ضرورت مند ہیں، فقیر ہیں، مگر استغناء اور خلق خدا سے بے نیازی کی شان یہ ہے کہ جو ان کے صحیح حالات سے واقف نہیں ہیں۔ وہ ان کو امیر اور دولت مند سمجھتے ہیں۔ کیوں کہ اظہار حاجت کے بارے میں وہ محتاط اور عفیف ہیں۔ وہ گوارا نہیں کرتے کہ کسی اشارہ کنایہ سے بھی ان کی ضرورت کا اظہار ہو۔ لوگ لیچڑ بن کر سوال کیا کرتے ہیں مگر یہاں سوال کرنے کا طریقہ ہی نہیں ہے کہ لیچڑ بننے کی صورت پیدا ہو۔

ابن السبیل راہ چلتا مسافر، حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کہ اس کی اونٹنی جس پر وہ سفر کر رہا تھا ہلاک ہو گئی ہے فوراً ایک شخص اُٹھا کہ یا رسول اللہ میری اونٹنی اس کے لئے حاضر ہے۔

(کتاب العلم ترمذی شریف)

السائلین قرآن کریم جن اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دیتا ہے ان کا تقاضہ یہی ہے کہ سائل کا سوال رد نہ کیا جائے۔ یہ تحقیق کرنا کہ سائل فی الواقع مستحق ہے یا نہیں اعلیٰ اخلاق اور سیر چشمی کے خلاف ہے۔ چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سائل کا حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے۔

(ابوداؤد شریف کتاب الزکوٰۃ)

البتہ خود سوال کرنے والے کا یہ فرض ہے کہ وہ خودداری سے کام لے۔ سائل کے حق میں اخلاق کی بلندی یہ ہے کہ وہ سوال اور مطالبہ سے بالا رہے۔ چنانچہ حضرت عوف بن مالک فرماتے ہیں کہ ہم بارگاہِ رسالت میں حاضر تھے۔ ہم سات آٹھ تھے یا نو تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم بیعت نہیں کرتے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم اسلام لائے ہیں۔ آپ سے حال ہی میں بیعت کر چکے ہیں۔ تھوڑے سے توقف کے بعد پھر یہی ارشاد ہوا۔ ہم نے بھی وہی جواب دیا۔ جب تیسری مرتبہ بھی یہی ارشاد ہوا تو ہم نے ہاتھ پھیلا دئے کہ ہم بیعت کرتے ہیں۔ فرمایا اس کا عہد کرو کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت

کرتے رہو گے، اس کا کوئی شریک نہیں گردانو گے، پانچوں وقت کی نمازیں پڑھا کرو گے اور اپنے سربراہوں کی بات سنو گے اور ان کی اطاعت کیا کرو گے۔ اس کے بعد ایک بات آہستہ سے فرمائی کہ یہ عہد کرو کہ لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہیں کرو گے۔ اب ان بیعت کرنے والوں کی یہ حالت تھی کہ اگر کوئی سوار ہوتا اور اس کا کوڑا گر جاتا تو وہ کسی سے یہ بھی نہ کہتا کہ کوڑا اٹھا دو۔ کہ اس میں بھی سوال کی جھلک ہے۔ وہ خود گھوڑے سے اترتا اور کوڑا اٹھاتا تھا۔ (ابو داؤد شریف۔ کتاب الزکوٰۃ)

بہرحال شخصی یا قومی ضرورت کے وقت سوال جائز ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ ضرورت شدید ہو۔ ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بلا ضرورت سوال کرنا اپنے چہرے کو کھرچنا ہے۔ ایسا شخص قیامت کے روز ایسی حالت میں آئے گا کہ تمام چہرہ کھرچا ہوا ہوگا، ہڈیاں کھلی ہوئی ہوں گی۔ گوشت کی ایک بوٹی بھی چہرہ پر نہیں ہوگی۔

(بخاری شریف۔ کتاب الزکوٰۃ)

وفی الرقاب (گردنوں میں) گردنوں میں مال خرچ کرنے کی صورت یہی ہے کہ غلاموں کو خرید کر آزاد کیا جائے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کونسا عمل سب سے افضل ہے۔ فرمایا۔ اللہ پر ایمان لانا اور راہِ خدا میں خرچ کرنا۔ میں نے عرض کیا اسکے بعد۔ فرمایا۔ ایسے غلام کو آزاد کرنا جو سب سے زیادہ قیمتی ہو اور اپنے مالکوں کی نظر میں سب سے بہتر اور سب سے نفیس ہو۔ (بخاری شریف) مقروضوں کے قرض کی ادائیگی جیسے معاملات خیر بھی گردن چھڑانے کا درجہ رکھتے ہیں۔

معاہدہ فطرت

جو آیت شروع میں پیش کی گئی ہے۔ جس کے فقروں کی تشریح سابق صفحات میں کی گئی ہے۔ اسی آیت کا ایک فقرہ یہ ہے۔ "پورا کرنے والے عہد کو جب کوئی عہد کر لیا ہو" عہد کے سلسلہ میں اس عہد کا تصور بھی آتا ہے جسکو "عہد الست" کہا جاتا ہے۔ ہم نے اس کو معاہدہ فطرت کہا ہے۔ اس کی تشریح کے لئے ایک مثال ملاحظہ فرمائیے

زید کی ولادت یکم محرم ۱۳۹۳ھ کو ہوئی۔ ہمارا تصور یہی ہے کہ اس کی ہستی کا آغاز یہی ہے۔ اُس سے پہلے اس کی ہستی کا کوئی نشان کائنات کے نقشہ میں نہیں تھا۔ لیکن قرآن حکیم اس نوزائیدہ کو ایک بہت پرانے نقش کی نئی تصویر قرار دیتا ہے۔

صبح کی سہانی فضا کا شامیانہ تنا ہوا تھا۔ بالکل صاف شفاف

نہ گرد و غبار نہ ابر و باد۔ یکا یک ایسا نظر آیا جیسے روئی کا چھوٹا سا گالا کسی چرخے سے اڑ کر فضا کی بلندی پر پہونچ گیا۔ چند منٹ میں یہ گالا بدلی کا ٹکڑا بن گیا۔ اور ابھی منٹوں کی شمار گھنٹے کی حد تک نہیں پہونچی تھی کہ وہی صاف و شفاف فضا جس میں بادل کا نشان تک نہ تھا ابر آلود ہو گئی۔

یہ روئی کا گالا فضاء آسمان میں دفعتاً بادل بن گیا یا کچھ گرد کے ذرّوں جیسے کچھ منتشر سلمات (اجزاء ذرّات) فضا میں تھے۔ برودت کے اثر نے ان کو یکجا کر دیا۔ وہ روئی کے گالے کی طرح ہو گئے۔ پھر اسی طرح کے سلمات اور جڑتے رہے یہاں تک کہ بدلی پھر بادل بن گیا۔

یہی سوال اس نوزائیدہ زید کے متعلق بھی ہے۔ شکم مادر سے جو اس کا ڈھانچہ بننا شروع ہوا تو کیا زید صرف اس ڈھانچہ کا نام ہے یا زید کچھ اور حقیقت ہے۔ وہ اس ڈھانچہ کی شکل میں اب نمودار ہو رہی ہے۔ ایک بہت پرانا دور تھا جس کی مدّت معلوم نہیں ہے۔ اس وقت ایک ہیکل بنایا گیا جس کا نام آدم رکھا گیا۔ اس وقت یہ طے کر دیا گیا کہ اس کو قوت تولید بخشی جائے گی اور یہ صرف یکہ و تنہا نہیں رہے گا بلکہ اس کی صلب سے اولاد پھر اولاد کی اولاد اتنی ہو گی کہ اس کی تعداد اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔

قرآن شریف کی شہادت یہ ہے کہ آدم علیہ السلام اور اولادِ آدمؑ کی پشت سے جتنی اولاد قیامت تک ہونے والی تھی اس سب

کو اسی وقت وجود عطا فرما دیا گیا اور ان کو ایسی فہم اور سمجھ بھی عطا کر دی گئی جس سے وہ بات کو سمجھ کر جواب دے سکیں اور اسی وقت حضرت ربّ العالمین نے ان سے دریافت فرمایا کہ تمھارا رب کون ہے۔ کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں۔ سب نے متفقہ طور پر ایک زبان ہو کر جواب دیا۔ 'بَلٰی'۔ (ضرور آپ ہمارے رب ہیں۔) (سورہ ۷ اعراف آیت ۱۷۲)

یہ ہے سب سے پہلا عہد جو آدم علیہ السلام اور اولادِ آدم کے ہر فرد سے لیا گیا۔ اس کو عہد الست بھی کہتے ہیں۔ بیشک یہ عہد ہمیں یاد نہیں مگر ہمیں یہ بھی یاد نہیں کہ ہمارے منھ میں لقمہ سب سے پہلے کس نے دیا تھا اور کس نے ہمیں کھانا یا پانی پینا سکھایا تھا۔ اور بہت سوں کو یہ بھی یاد نہیں ہوتا کہ الف۔ با۔ تا کا سب سے پہلا سبق کس نے دیا تھا۔ کس وقت اور کس مقام پر دیا تھا۔ مگر یہ باتیں ہماری فطرت کا جزو بن گئیں۔ پہلے سبق کا وقت یاد نہیں۔ مگر اسی سبق کی بنا پر ہم کھاتے ہیں۔ اسی سبق کی بنا پر ہم لکھتے ہیں، پڑھتے ہیں۔ اسی طرح یہ بات بھی ہماری فطرت کا جزو بن گئی کہ ہم مخلوق ہیں۔ ہمارا کوئی خالق ہے۔ وہ ہمارا رب ہے۔

خدا کا انکار کرنا فیشن بن گیا ہے۔ مگر جب کوئی نازک وقت آتا ہے تو یہی فیشن ایبل فیشن بھول جاتے ہیں اور ان کی فطرت رب کا تصوّر ان پر مسلط کر دیتی ہے۔

دریا کا سفر ہو اور جہاز طوفان میں گھر جائے۔ نجات کی کوئی شکل سامنے نہ ہو تو انسان کتنا ہی فیشن ایبل کیوں نہ ہو، اس کی نظر اس وقت اپنے رب پر ہی ہوتی ہے اور وہ اسی سے نجات کی التجا کرتا ہے۔

سابق وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو بھی انھیں فیشن ایبل لوگوں میں تھے جو مذہب کو خارج از بحث سمجھتے تھے۔ لامذہبی ان کا مذہب تھا۔ ان کے داماد فیروز گاندھی کا انتقال ہوا۔ وہ راقم حروف کے بھی دوست تھے۔ ۱۹۳۰ء میں فیض آباد جیل میں ساتھ رہے تھے۔ چونکہ گوشت خور تھے تو کھانے میں بھی ہمارے شریک رہا کرتے تھے۔ ان کے انتقال کا علم ہوا تو احقر بھی پنڈت جی کی کوٹھی پر گیا۔ پنڈت نہرو لاش کے قریب خاموش کھڑے تھے پنڈت صاحبان وہاں تشریف فرما تھے اور اپنے مسلک کے مطابق کچھ پڑھ رہے تھے۔ ان کے علاوہ مختلف مذاہب کے مذہبی آدمی بھی وہاں پہونچے ہوئے تھے۔ پنڈت جی نے کسی سے کوئی استدعا نہیں کی مگر ان کی زبان حال کی خاموش فرمائش یہ تھی کہ اس مردہ کو فائدہ پہونچانے کے لئے جو کچھ بھی کوئی کر سکتا ہو وہ کرے۔ اس وقت پنڈت جی کا فیشن ایک اضطراب میں بدلا ہوا تھا۔ اور یہ عقیدہ بھی غیر شعوری طور پر پختگی کے ساتھ کارفرما تھا کہ انسان موت پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ موت ایک دوسرے عالم میں منتقل ہونے کا نام ہے۔ بہر حال جس طرح موت کے بعد ایک عالم آنے والا ہے۔ قرآن حکیم کا اظہار یہ ہے کہ اسی طرح کا ایک عالم پہلے بھی ہے۔ جہاں وہ نسمات موجود ہیں جن کو پیدائش کے بعد زید۔ عمر۔ بکر وغیرہ کہا جاتا ہے۔

قرآن حکیم کی شہادت یہ ہے کہ ایک معاہدہ اور بھی ہوا گو وہ

صرف انبیاء علیہم السلام سے لیا گیا تھا۔ وہ آپس کے تعاون و تنامر کا معاہدہ تھا۔ اور یہ کہ ایک دوسرے کی تائید کرے گا۔ کسی کی مخالفت نہیں کرے گا۔ (سورہ آل عمران۔ آیت ۸۱)

اس کی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ دنیا کے عقل پرست، دانشور، فلاسفر اور عقلاء کے نظریات عموماً مختلف رہے۔ ان کے مکاتب خیال الگ الگ رہے۔ ان مکاتب خیال کی اشاعت کے لئے تعلیم گاہیں اور یونیورسٹیاں بھی قائم ہوئیں۔ مگر ان میں اتحاد سے زیادہ اختلاف کارفرما رہا۔ اس کے برخلاف جملہ انبیاء علیہم السلام کی بنیادی تعلیم ایک رہی۔ اللہ تعالےٰ کی ذات وصفات، عمل اور پاداش عمل، جنت، دوزخ، ملائک اور قیامت وغیرہ کے متعلق سب کے عقائد ایک رہے۔

بہر حال قرآن حکیم میں "بِرّ" کی جو تعریف فرمائی گئی اس میں بنیادی عقائد وعبادت کے بعد اسی معاہدہ کی یاد دہانی فرمائی گئی ہے یہ معاہدہ ایک بنیادی معاہدہ ہے۔ اس کی پابندی جوہر آدمیت ہے جب اس کی پابندی ہوگی تو دوسرے معاہدات کی پابندی بھی ہوگی۔ کیونکہ معاہدات پابندی اور عمل ہی کے لئے ہوتے ہیں۔ یہی انسانیت ہے۔ اور یہی تقاضاء شرافت ہے۔ کہ جو معاہدہ ہو اس کی پابندی کی جائے۔ لہذا "بر" اور نیکی کا ایک اہم باب ایفاء عہد اور پابندی قول وقرار ہے۔

اس پابندی قول وقرار کو اسلام میں یہ اہمیت دی گئی ہے۔

کہ عزیز ترین مفاد معاہدہ پر قربان کیا جا سکتا ہے مگر معاہدہ کو کسی
مفاد پر قربان نہیں کیا جا سکتا۔ اور اگر بالفرض یقین ہو جائے کہ فریق
مخالف معاہدہ کے پردہ میں گہری سازش کر رہا ہے جو مسلمان کیلئے
زیادہ سے زیادہ خطرناک اور تباہ کن ہو سکتی ہے تو ایسی صورت میں
قرآن کریم نے اجازت دی ہے کہ معاہدہ کو مسترد کر دیا جائے لیکن
شرط یہ ہے کہ خاتمہ کھلے بندوں عام اعلان کے ساتھ ہو۔ اور ایسی
حالت میں ہو کہ پوزیشن مساوی ہو۔ یعنی ایسا نہ کیا جائے کہ معاہدہ کا
خاتمہ اچانک اعلان سے کر دیا جائے، بلکہ پہلے سے جتا دیا جائے۔ تاکہ
دونوں فریقوں کو یکساں طور پر تیاری کی مہلت مل جائے۔ فریق
مخالف کی غفلت یا کمزوری سے فائدہ اُٹھانا خیانت اور غدر ہے۔ یہ
اسلام میں حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں
رکھتا ہے۔ (سورہ ۸ انفال آیت ۵۸)

حضرت سلیم بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک مشہور روایت
ہے۔ اس سے پوزیشن کے مساوات کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ یہ
روایت اس دور سے متعلق ہے جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ
اور رومی عیسائیوں کے درمیان جنگ ہو رہی تھی۔ اسی زمانہ میں
کچھ عرصہ کے لئے التوا رجنگ کا ایک معاہدہ ہو گیا تھا۔ معاہدہ کی مدت
ختم ہونے والی تھی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فوجوں کو کوچ کا
حکم دے دیا کہ سرحد کے قریب پہونچ جائیں اور جیسے ہی مدت ختم
ہو حملہ کر دیں۔ فوج نے جیسے ہی نقل و حرکت شروع کی۔ دیکھا کہ ایک

شخص گھوڑا دوڑائے آرہا ہے اور چیخ رہا ہے۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر
وَفَاءٌ لَا غَدْرٌ (یعنی بڑے تعجب کی بات ہے یہ کیا ہو رہا ہے)۔
(مسلمان عہد کے پابند ہوتے ہیں، مسلمان غدار نہیں ہوتے اور
عہد کو پامال نہیں کیا کرتے۔) یہ صاحب کون تھے جو اس طرح سراسیمہ
آرہے تھے۔ اور چیخ رہے تھے۔

لوگوں نے پہچانا حضرت عمرو بن عبسہؓ ہیں۔ (صاحب رسول
صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے فرمایا
جا کر تحقیق کریں کہ ہم سے کیا عذر ہوا ہے جس پر یہ احتجاج ہے۔
حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ آقائے دوجہاں صلی اللہ
علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی ہے اور میں نے آپ کا ارشاد گرامی خود
سنا ہے فرمایا تھا۔

من کان بینہ وبین قوم عہد فلا یشد عقدۃ
ولا یحلہا حتی تنقضی او ینبذ الیہم علی سواء

جب کسی سے معاہدہ ہو تو نہ معاہدہ کی کسی گرہ کو کسے اور
نہ ڈھیلا کرے یہاں تک کہ مدت معاہدہ پوری ہو جائے اور
شکست معاہدہ کا اعلان اس صورت میں کرے کہ دونوں کی پوزیشن
مساوی ہو۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب ارشاد نبوی علی صاحبہ الصلوۃ
کا علم ہوا تو آپ نے فوجوں کو واپسی کا حکم دیدیا کہ اسی پوزیشن پر
آجائیں جو معاہدہ کے وقت تھی۔ (ابوداؤد شریف باب فی الامام یکون بینہ وبین العدو

عہد۔ ترمذی شریف ابواب السیر ص۱۹۱ ج ۱)

(۳)

ایفاء عہد کا یہی درس ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اے ایمان والو! پورے کرو عہد۔ (سورۃ ۵ مائدہ آیت ۱)
پورے کرو عہد (ہر ایک عہد کے متعلق باز پرس ہوگی اور تمھیں جواب دہ ہونا پڑے گا۔ (سورہ ۱۷ بنی اسرائیل آیت ۳۴)

(۴)

اس پابندی عہد کا ایک باب وہ ہے جس کو ذمہ۔ امان اور پناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یعنی جب جنگ جاری ہو اور کوئی مسلمان جنگجو حریف کو پناہ دیدے کہ وہ محفوظ ہے۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے ــــ "اگر مشرکوں میں سے کوئی آدمی تم سے پناہ مانگے تو اسے ضرور اماں دو یہاں تک کہ وہ (اچھی طرح) اللہ کا کلام سن لے۔ پھر اسے (اپنی حفاظت میں) اس کے ٹھکانے پر پہونچا دو۔ (سورہ ۹ توبہ آیت ۶)
آیت میں اگرچہ خطاب آنحضرت صلعم کو ہے مگر یہ حکم آنحضرت صلعم کیلئے مخصوص نہیں بلکہ ہر ایک مسلمان کو جو شریک جہاد ہو یہ حق پہونچتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بموجب مسلمہ قانون یہ ہے۔

ذمۃ المسلمین وجوارھم واحدۃ یسعیٰ بھا ادناھم ــــــ مسلمانوں کا عہد کر لینا یا پناہ دینا ایک ہی ہے۔ ایک کا پناہ دینا سب کی طرف سے اور ایک کا معاہدہ کر لینا سب کا معاہدہ مانا جائے گا۔ سب سے کم درجہ کا مسلمان بھی پناہ دے سکتا ہے۔ ہر مسلمان پر اس کا احترام کرنا واجب

ہوگا اور احترام بھی یہ کہ ارشاد ہوتا ہے کہ جو کوئی بھی اس میں رخنہ ڈالے گا اس پر اللہ کی لعنت، فرشتوں کی لعنت۔ اس کے تمام کام رد۔ نہ اس کا فرض قبول ہوگا نہ اس کی نفلیں قبول ہونگی۔ (بخاری شریف صفحہ ۱۵۴)

عجیب یہ ہے کہ یہ عظیم ذمہ داری جس کی خلاف ورزی پر یہ لعنت و ملامت اور یہ مردودیت ہے۔ اس کے لئے یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ کوئی پروانہ لکھا جائے۔ انتہا یہ کہ یہ بھی ضروری نہیں کہ امن دینے والا امن دینے کا ارادہ کرے، ارادہ یا بے ارادہ کوئی بھی لفظ ایسا نکل جائے۔ جس کو برسرپیکار دشمن کی فوج کا یہ شخص امن سمجھ لے تو وہ امن ہو جائیگا اور اب اسکا قتل کرنا جائز نہیں۔ یہ خون حرام ہو جائے گا۔ اس سلسلے میں شبہ کا فائدہ بھی مغلوب و مفتوح دشمن ہی کو ملے گا۔ فاتح کو نہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ مشہور جرنیل اور راجہ ہرمزان جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہونچا، تو اگرچہ وہ بڑی شان و شوکت کا شاہانہ لباس پہنے ہوئے تھا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرش زمین پر اس طرح بیٹھے ہوئے تھے کہ ہرمزان کو پوچھنا پڑا کہ امیر المومنین "عمر" کون ہیں۔

مگر جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کچھ سوالات کئے تو ہرمزان گھبرا گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زبان سے بلا ارادہ یہ لفظ نکل گیا۔ "تکلم لا باس" (بات کرو گھبراؤ مت) چونکہ ہرمزان متعدد بار عہد شکنی کر کے مسلمان افسروں کا قتل کر چکا تھا۔ تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس کے قتل کا ارادہ کر چکے تھے۔ لیکن ہرمزان

نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ سے فائدہ اٹھایا اور جیسے ہی اسے احساس ہوا کہ قتل کا حکم صادر ہونے والا ہے اس نے اپیل کردی کہ آپ لاباس فرما چکے ہیں۔ کوئی خطرہ نہیں) اب قتل نہیں کر سکتے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنے ان الفاظ کا خیال بھی نہ تھا جو بلا ارادہ زبان سے نکل گئے تھے۔ مگر ہرمزان نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو شہادت میں پیش کردیا۔ کہ آپ نے یہ الفاظ فرمائے تھے۔ ایک شخص کی شہادتِ اسلامی قانون شہادت کے بموجب ناکافی ہوتی ہے اِس سے کوئی دعویٰ ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ مگر معاملہ امن دینے اور ایک انسان کی جان بخشی کا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی یہ رحم دلی تھی کہ آپ نے قانونی بحث سے بالا ہو کر صرف ایک شہادت پر اعتماد کر لیا اور ہرمزان کو مامون قرار دیدیا۔ پھر ان پر اتنی مہربانی فرمائی کہ دو ہزار سالانہ ان کا منصب مقرر فرما دیا۔ (بخاری شریف ص۴۵۔ فتح الباری ص۲۱ ج۶)

مجاہدین کی روانگی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو خاص ہدایتیں فرماتے تھے ان میں یہ ہدایتیں بھی ہوتی تھیں۔

خیانت نہ کرنا۔ کسی عہد کی خلاف ورزی نہ کرنا۔ کسی کے ناک کان نہ کاٹنا۔ بچوں کو، عورتوں کو اور دشمن کی فوج میں کام کرنے والے مزدوروں کو قتل نہ کرنا۔ (مشکوٰۃ شریف باب القتال فی الجہاد فصل ثانی)

عہد کی خلاف ورزی نہ کرنے کی عملی مثال یہ ہے کہ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، قریش کے نمائندہ کی حیثیت سے قریش کی طرف سے کوئی پیغام لے کر آئے۔ انہوں نے

پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا تھا۔ اس وقت جیسے ہی چہرۂ انور پر نظر پڑی آپ کی سچائی کا یقین ہو گیا۔ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اب میں واپس نہیں جاؤں گا۔ یہ میں نے طے کر لیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منظور نہیں فرمایا۔ ارشاد ہوا۔ انی لا اخیس بالعھد ولا احبس البرد میں نہ تو عہد کی کسی قسم کی خلاف ورزی گوارا کرتا ہوں اور نہ سفیروں کو روک لینا جائز سمجھتا ہوں۔ اس وقت تو آپ جائیے پھر جو بات آپ کے دل میں اب پیدا ہوئی ہے وہی پھر بھی باقی رہے تو واپس تشریف لائیے چنانچہ یہ اس وقت واپس گئے اور دوبارہ مکہ سے آکر مسلمان ہوئے۔ (ابوداؤد شریف باب فی الامام یُستجنّ بہ فی العہد)

(۶)

اس سے بھی زیادہ سبق آموز غزوہ بدر کا واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا وعدہ پورا کرنا ضروری سمجھا اور ایفاء وعدہ کے مقابلہ پر اضافہ قوت کو گوارہ نہیں کیا۔ جنگ بدر مسلمانوں کی سب سے پہلی جنگ تھی جو قریش سے ہوئی تھی۔ مسلمان صرف ۳۱۲ تھے۔ نہایت شکستہ حال تھے۔ اسلحہ بھی پورے نہیں تھے۔ دشمن کی طاقت تین گنی تھی اور ہر طرح کے اسلحہ اور سامانِ جنگ سے مسلح تھی سا اس نازک موقع پر مسلمانوں کی تعداد میں ایک دو۲ کا اضافہ بھی ایک طرح کی فتح تھی۔ چنانچہ حضرت حذیفہ اور ان کے والد اس غرض سے چلے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدد پہونچائیں اور

مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شرکت کریں۔ لیکن راستے میں دشمن کے ہاتھ لگ گئے اور اس وقت تک رہائی نہ پا سکے جب تک یہ بیان نہیں دے دیا کہ ہم مدینہ جا رہے ہیں۔ لڑائی میں شریک ہونے نہیں جا رہے ان حضرات نے اس بیان کو وقتی مصلحت سمجھا اور لڑائی میں شریک ہونے کے لئے میدان میں پہونچ گئے۔ مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ یہ دونوں حضرات وعدہ کر کے آئے ہیں تو آپ کا فیصلہ یہ تھا کہ وعدہ پورا کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ وعدہ کی پابندی کرو۔ ہمیں صرف خدا کی مدد درکار ہے۔

(مسلم شریف باب الوفاء بالعہد ج ۲)

ایک عجیب وغریب قانون

نہایت ہی عجیب وغریب مسلمان ججوں کے وہ فیصلے ہیں جو انہوں نے غیر مسلم قیدیوں کے متعلق کئے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور شاگرد امام محمد رحمۃ اللہ نے حضرت امام صاحب کا یہ مسلک نقل کیا ہے کہ اگر غیر مسلم حکومت غدّاری کرے، ان مسلمانوں کو شہید کر دے جو ان کے یہاں جنگی قیدی تھے تب بھی مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ان کو قتل کر دیں جو ان کے یہاں (جنگی قیدی) یرغمال ہیں۔ نہ ان کو قتل کر سکتے ہیں نہ ان کو غلام بنا سکتے ہیں کیوں کہ وہ ہمارے یہاں امن حاصل کئے ہوئے ہیں۔ تو غیر مسلموں کی غدّاری کی وجہ سے ان کا امن ختم نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کوئی شخص دوسرے کے جرم کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ (سورۃ الانعام آیت ۱۶۴)

تاریخ اسلام میں خدا جانے کتنے مقدمات اس طرح کے ہوئے ہوں گے۔ صرف دو مقدموں کا ذکر امام محمد رحمۃ اللہ نے کیا۔ جن کی بنا پر یہ مسئلہ زیر بحث آیا۔ اور عدالتی نظیر قائم ہوئی۔ ایسا ہی ایک مقدمہ تھا جو امیر دوانقی کی عدالت میں پیش ہوا۔ جس میں امام ابوحنیفہؒ سے مشورہ لیا گیا۔ تو آپ نے مذکورہ بالا فتویٰ دیا۔ دوسرا مقدمہ اسی طرح کا امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عدالت میں پیش ہو چکا تھا۔ اور آپ نے یہی فیصلہ دیا تھا کہ ہمارے یہاں جو غیر مسلم یرغمال ہیں ان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

امام صاحب سے کہا گیا کہ جب دونوں حکومتوں کے باہمی معاہدہ میں یہ شرط تسلیم کر لی گئی تھی کہ اگر ایک فریق نے اپنے یہاں کے یرغمال قتل کر دیئے تو دوسرا فریق بھی قتل کر دے گا تو اس شرط پر عمل کیوں نہ کیا جائے۔ تو امام صاحب کا جواب یہ تھا کہ "یہ شرط کتاب اللہ کے اصول کے خلاف تھی۔ اور جو شرط کتاب اللہ کے اصول کے خلاف ہو وہ باطل ہوتی ہے۔ مسلمانوں کے لئے کتاب اللہ کے خلاف کسی شرط پر عمل کرنا جائز نہیں ہوتا۔" (شرح السیر الکبیر ص ۳۳۳ ج ۳)

ظاہر ہے اس صورت میں یرغمال عبث اور بیکار ہو گا۔ اور یہ شرط لغو ہو جائے گی۔ مگر اسلامی عدالت قرآنی اصول کی روشنی میں اسلامی حکومت کے معاہدہ کو غلط اور بیکار قرار دے سکتی ہے۔ لیکن یہ نہیں کر سکتی کہ انسانی جان کی حرمت کے خلاف فیصلہ صادر کرے اور جو ایک مرتبہ کسی بھی عنوان سے امن حاصل کر چکا ہے اس کو امن سے

محروم کردے۔

تکملہ آیت بر (نیکی) کی تعریف اور اس کی قسمیں بیان کرنے کے بعد ارشاد ہے۔ وَالصَّابِرِیْنَ فِی الْبَأْسَاءِ وَ الضَّرَّاءِ وَحِیْنَ الْبَأْسِ اُولٰئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۔ یعنی تنگی اور مصیبت کی گھڑی ہو یا امن اور بیماری کی حالت یا خوف و ہراس کا وقت، ہر حال میں صبر کرے، اپنے اصول پر مضبوطی سے جما رہے تو بلاشبہ ایسے ہی لوگ ہیں جو نیکی کی راہ میں سچے ہیں اور جو برائیوں سے بچنے والے اور صحیح معنوں میں متقی ہیں۔ (آیت، اسورہ بقرہ)

تکملہ آیت نے اشارہ کر دیا کہ نیکی خواہ کتنی ہی اچھی بات ہو۔ لوگ اس کی خواہ کتنی ہی قدر کرتے ہوں اور اس کو نعمتِ عظمیٰ سمجھتے ہوں مگر نیکی کرنے والے کو لامحالہ مصائب کا سامنا کرنا ہوگا اور بے انتہا مشکلات برداشت کرنی ہوں گی۔ بقول شاعر

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

اخلاق

اخلاق کا میدان بہت وسیع ہے۔ یہ دینِ کامل کی مختصر تصویر جو پیش کی جا رہی ہے۔ اس کے چھوٹے سے دامن میں کسی میدان کی گنجائش کہاں؟ تاہم چند باب یہاں پیش کئے جا رہے ہیں۔ وجہ انتخاب یہ ہے کہ عام طور پر ان کو اخلاق کے باب نہیں سمجھا جاتا اور حقیقت یہ ہے کہ یہ وہ ستون ہیں کہ ان کے بغیر اخلاق کی کوئی عمارت بھی مستحکم نہیں ہو سکتی۔ امن، چین، سکون، اطمینان، رواداری، باہمی اعتماد، تعاون، آپس کی ہمدردی، خیرخواہی اتحاد و اتفاق جو اخلاقیات کے مقاصد اور مہذب و بہترین سوسائٹی کی خصوصیات ہیں۔ ان کے پودے انھیں ابواب کی کیاریوں میں پھلتے پھولتے اور بارآور ہوتے ہیں جن کو پیش نظر صفحات میں سجایا

جارہا ہے۔ انکے بعد چند ابواب میں اخلاق رذیلہ کا ذکر بھی کیا جائے گا۔ کہ لفِضدہا تتبین الاشیاء ہے۔

عدل و انصاف اور سچی گواہی اور ادائے امانت ۔ کلام الٰہی ۔

بیشک اللہ حکم فرماتا ہے تمکو کہ پہونچاؤ امانتیں امانت والوں کو اور جب فیصلہ کرنے لگو لوگوں میں تو فیصلہ کرو انصاف کیساتھ (ج ۵ ع ۸ سورۂ نسا)

اور جب بات کہو تو حق کہو اگرچہ وہ اپنا قریب ہی ہو۔ اور اللہ کا عہد پورا کرو۔ (ج ۸ ع ۱۹ سورۂ انعام)

مسلمانو! ایسے ہوجاؤ کہ انصاف پر مضبوطی سے قائم رہنے والے اور اللہ کے لئے سچی گواہی دینے والے۔ اگر تمھیں خود اپنے خلاف یا اپنے ماں باپ اور قرابت داروں کے خلاف گواہی دینی پڑے جب بھی نہ جھجکو۔ اگر کوئی مالدار یا محتاج ہو تو اللہ (تم سے زیادہ) ان پر مہربانی رکھنے والا ہے۔ (تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیئے کہ مالدار کی دولت کے لالچ میں یا محتاج کی محتاجی پر ترس کھاکر سچی بات کہنے سے جھجکو یا بات چباؤ) (ج ۵ ع ۲۰ سورۂ نساء)

مسلمانو! ایسے ہوجاؤ کہ خدا کی سچائی کے لئے مضبوطی سے قائم رہنے والے اور انصاف کے لئے گواہی دینے والے رہو اور دیکھو ایسا کبھی نہ ہو کہ کسی گروہ کی دشمنی تمھیں اس بات کے لئے ابھار دے کہ (اس کے ساتھ) انصاف نہ کرو۔ (ہر حال میں) انصاف کرو کہ یہی تقوے سے لگتی ہوئی بات ہے۔ (ج ۶ ع ۲ سورہ مائدہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "جو امانت دار نہیں

وہ ایماندار نہیں اور جو عہد کا پابند نہیں وہ دیندار نہیں۔ (بیہقی شعب الایمان)
ادائے حق میں ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ (بخاری شریف ص۲۲۳)

حضرت عبدالرحمن بن ابی قُرادؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک روز ایسا ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمائی تو صحابۂ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) وضو کے پانی پر جھپٹ پڑے۔ اور جو پانی گر رہا تھا اس کو ہاتھوں میں لے کر اپنے اوپر (عطر کی طرح) ملنے لگے۔ ارشاد ہوا۔ یہ کیا؟ عرض کیا، یارسول اللہ محبت کا یہی تقاضا ہوا۔ آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہوا۔ اللہ اور اس کے رسول سے سچی محبت کا تقاضا ہونا چاہیئے زبان کی سچائی (جو بات زبان سے نکلے وہ سچی ہو) جس کے پاس جو امانت رکھوائی جائے وہ اس کو پوری پوری ادا کردے۔ پڑوس میں رہنے والوں کے لئے اچھا پڑوسی بن کر رہے۔ (بیہقی شعب الایمان بحوالہ مشکوۃ باب الشفقہ)

اقارب ، اعزّہ
اور
پڑوسی

ایفاءِ عہد (معاہدہ کو پورا کرنے) کا ایک باب وہ ہے جس کو صلہ رحم کیا جاتا ہے۔ یعنی رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرنا۔

جس طرح درخت کی شاخیں باہر ہوتی ہیں اسی طرح درخت کی جڑ میں بھی شاخیں ہوتی ہیں جو زمین کے اندر پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔ اور

جال در جال الجھی ہوئی ہوتی ہیں، ان کو بیل کہا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حق جل مجدہ کے اسم گرامی "الرحمٰن" کو درخت سے تشبیہ دیتے ہوئے قرابت کو اس کی بیل یعنی اس کی جڑ کی شاخ فرمایا ہے اور یہ تنبیہ بھی فرمادی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "جو ان بیلوں کو جوڑتا ہے وہ مجھ سے رشتہ جوڑتا ہے اور جو ان کو کاٹتا ہے وہ مجھ سے رشتہ توڑتا ہے۔" (بخاری شریف کتاب الادب ص۸۸۵)

مختصر یہ کہ دین کامل کی نظر میں اعزا ر اقارب اور رشتہ داروں سے کنارہ کشی خدا پرستی نہیں بلکہ خدا پرستی کی چاشنی یہ ہے کہ ان رشتوں کو جوڑا جائے جن کو خدا نے جوڑا ہے اور صرف یہ نہیں کہ جو آپ سے جوڑیں آپ اُن سے جوڑیں اور جو توڑیں ان سے آپ توڑ دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یہ تو معاوضہ ہے۔ یہ حسن سلوک اور صلہ رحم نہیں حسن سلوک اور صلہ رحم یہ ہے کہ جو آپ سے رشتہ توڑیں ان سے آپ جوڑیں۔ اور ان کو اپنا بنائیں۔ (بخاری شریف کتاب الادب ص۸۸۶)

رشتہ داری کی یہی اہمیت ہے۔ جس کی بنا پر قرآن حکیم میں احسان بالوالدین کا تذکرہ اور عبادت رب کا حکم ساتھ ساتھ فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ سورہ بنی اسرائیل میں ہے۔ تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ صرف اسی کی عبادت کرو اور اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو اور یہ کہ ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک۔ (احسان کرو۔) (آیت ۲۳)

پھر اسی طرح سورۂ انعام میں ہے۔ آؤ تمھیں بتادوں تمہارے رب نے تم پر کیا حرام کیا ہے۔ خدا کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ (آیت ۱۵۱)

سورۂ نسار میں صرف والدین نہیں بلکہ جملہ اقارب حتٰی کہ پڑوسیوں کو بھی اسی زمرہ میں شامل فرمالیا گیا ہے۔ ارشاد ہے۔ اللہ کی بندگی کرو۔ اور کسی چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ۔ اور حکم یہ یہ ہے کہ ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ رکھو۔ (ماں باپ کے علاوہ) رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرو۔ یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اور پڑوسیوں کے ساتھ خواہ وہ رشتہ دار ہوں یا رشتہ دار نہ ہوں، اجنبی ہوں۔ نیز پاس کے اٹھنے بیٹھنے والوں کے ساتھ اور ان لوگوں کے ساتھ جو مسافر ہوں یا لونڈی غلام جو تمھارے قبضے میں ہوں۔ ان سب کے ساتھ احسان اور سلوک سے پیش آؤ۔ اللہ تعالےٰ ان کو دوست نہیں رکھتا جو اترانے والے ڈینگیں مارنے والے ہوں۔ جو خود بھی بخیلی کرتے ہوں اور دوسروں کو بھی بخل کرنا سکھاتے ہوں۔

(آیت ۳۶-۳۷)

ماں باپ اور دوسرے رشتہ دار اگر غیر مسلم ہوں تب بھی ان کے ساتھ حسن سلوک اور اچھے برتاؤ کی ہی تاکید ہے۔ حضرت اسمار رضی اللہ عنہا کی والدہ ابھی مسلمان نہیں ہوئی تھیں، مکہ میں رہا کرتی تھیں۔ وہ مدینہ طیبہ آئیں تو حضرت اسمار رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا ان سے برتاؤ اچھا رکھوں۔ ارشاد ہوا۔ ضرور۔ (باب صلۃ الوالد المشرک۔ بخاری شریف ص۸۸۴)

قرآن حکیم میں غیر مسلم والدین کے متعلق ارشاد ہے اگر تجھ پر

وہ دونوں اس بات کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک ٹھہرا، جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہیں۔ (یعنی محض اوہام ہیں) تو ان کا کہنا مت ماننا۔ اور دنیا میں ان کے ساتھ خوبی سے بسر کرنا (۔ ۱۴ع ۲ سورۃ لقمان)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مسلم اور غیر مسلم ہر ایک کے متعلق ہے کہ ذلیل ہوا۔ ذلیل ہوا۔ ذلیل ہوا۔ وہ شخص جس کے ماں باپ (دونوں یا ایک) اس کے سامنے بوڑھے ہوئے اور وہ جنت میں نہ جا سکا۔ (مسلم ص۳۱۴ ج ۲)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضؓ کو ایک ریشمی جوڑا عنایت فرمایا حضرت عمر رضؓ نے اس کو اپنے کافر بھائی کے پاس بطور تحفہ بھیجدیا جو مکہ میں رہتا تھا۔ (بخاری شریف)

والدین کے علاوہ والدین کے دوستوں اور ملنے جلنے والوں کے متعلق بھی یہی ارشاد ہے کہ اپنے باپ کے دوستوں سے اچھا سلوک کرنا اولاد کے لئے سب سے بڑی خوبی ہے۔ (مسلم ص۳۱۴ ج ۲)

زوجین سب سے زیادہ نازک ــــــ رشتہ میاں بیوی کا ہے اس سلسلہ میں حضرت جل مجدہ کا ارشاد ہے ــــــ

"ان کے ساتھ رہن سہن اور ان کے ساتھ اچھا سلوک رکھو۔ اور اگر ایسا ہو کہ وہ تمھیں کسی وجہ سے ناپسند ہوں تب بھی سلوک اچھا رکھو اور نبھاؤ کی کوشش کرو کیونکہ بہت ممکن ہے اللہ تعالےٰ نے اسی ناپسند میں تمہارے لئے بہت کچھ بہتری رکھ دی ہو۔

نیز ارشاد ہے۔ عورتوں کے لئے بھی اسی طرح کے حقوق مردوں

پر ہیں۔ جس طرح کے حقوق مردوں کے عورتوں پر ہیں۔ البتہ مردوں کو عورتوں پر ایک خاص درجہ دیا گیا ہے۔ (سورہ ۲ بقرہ آیت ۲۲۸)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ عورتوں کے متعلق اچھے سلوک کی وصیت کرتا ہوں، اس کو قبول کرو۔ کیونکہ عورت کی مثال پسلی کی ہڈی جیسی ہے (اگر آپ سیدھا کرنا چاہیں گے تو توڑ دیں گے مگر سیدھا نہ کر سکیں گے۔) اگر آپ کام نکالنا چاہیں تو آپ اس کجی ہی کے ساتھ کام نکال لیجئے۔ (بخاری شریف ص۷۷۹)

عام رشتہ دار

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ـــــ بدسلوک جنت میں نہیں جائے گا۔ (بخاری ص مسلم ص۳۱۵)

"الرحم" یعنی قرابت کو خطاب فرما کر باری تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ جو تیرے سے اچھا سلوک کرے گا اس سے میں بھی اچھا سلوک کروں گا۔ اور جو تیرے سے برا سلوک کرے گا اس سے میں بھی برا سلوک کروں گا۔

(بخاری شریف ص۸۸۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص اپنے رزق میں فراخی اور عمر میں برکت چاہتا ہے وہ اپنے کنبہ سے اچھا سلوک کرے۔

(بخاری شریف ص۸۸۵ مسلم شریف ص۳۱۴)

جو شخص اپنے بدسلوک رشتہ داروں کے ساتھ بھی خوش معاملگی سے پیش آئے وہ اچھا سلوک کرنے والا مانا جائے گا۔ نہ وہ جو کہ بدلہ دے۔

(بخاری شریف ص۸۸۶)

جو شخص رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔ (بخاری شریف ص۸۸۸)

اہل وعیال کی پرورش

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے تمھارے پروردگار کا تم پر حق ہے تمھارے گھر والوں کا تم پر حق ہے۔ (ص۲۶۲، ص۲۶۵ بخاری)

اگر تم اپنے وارثوں کو غنی چھوڑو گے تو یہ بہتر ہوگا اس سے کہ انکو فقیر کنگال چھوڑو، کہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔

تم خدا کی مرضی کا خیال کر کے جو بھی خرچ کرو گے، تمھیں اس کا ثواب ملے گا۔ یہاں تک کہ اس لقمہ کا ثواب بھی پاؤ گے جو اپنی بیوی کے منہ میں رکھو۔ (بخاری شریف ص۱۳، ص۳۸۳، ص۶۳۲، ص۱۷۳ وغیرہ)

سب سے اچھا اور افضل صدقہ وہ ہے جو غنی یعنی اپنی ذاتی ضرورتیں پوری ہونے کے بعد کیا جائے۔ (اس طرح کہ) اپنے کنبہ والوں سے شروع کرو۔ پہلے ان کو دو۔ (بخاری شریف ص۸۰۶) عام حکم یہی ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کے وہ خاص بندے جو اپنے اوپر اتنا قابو پا چکے ہیں کہ راہِ خدا میں مصیبت کو راحت سمجھتے ہیں، جو فقر وفاقہ کو ہنسی خوشی برداشت کرتے ہیں۔ انکی شان یہی ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کو اپنے اوپر مقدم رکھتے ہیں۔ جیسے کہ حضرات انصار کی یہ شان بیان کی گئی ہے کہ انھیں خواہ کتنی ہی سخت ضرورت ہو وہ دوسروں کو اپنے سے مقدم رکھتے ہیں۔ (سورۂ ۵۹ حشر آیت ۹) نیز ارشاد ہوا۔ خادموں اور نوکروں کا روزینہ روک لینا ایسا گناہ ہے کہ اسکے مقابلہ میں اور گناہ ہیچ ہیں (مسلم ص۳۲۲ ج۱)

یتیم بچے، بیوہ عورتیں، غربا مساکین اور مصیبت زدہ

اور پاس نہ جاؤ یتیم کے مال کے مگر اسطرح سے کہ بہتر ہو (ع۶-۹، سورۂ انعام) اور ایسے لوگوں کو ڈرنا چاہیے کہ اگر اپنے بعد چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ جائیں تو انکی انکو فکر ہو۔ سو ان کو چاہیے

کہ خدا سے ڈریں اور ٹھیک بات کہیں۔ جو لوگ کھاتے ہیں مال یتیموں کا ناحق وہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ ہی بھرتے ہیں۔ اور عنقریب داخل ہوں گے بھڑکتے ہوئے جہنّم میں۔ (سورۂ نساء ج ۴۔ ع ۱۔)

بیوہ، مسکین اور مجاہدین کے متعلقین کی خدمت کرنے والا مجاہد فی سبیل اللہ جیسا ہے یا اس شخص جیسا جو رات بھر عبادت کرے اور دن کو روزہ رکھے۔ (ص ۸۰۵ بخاری شریف)

جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں لگا رہے گا تو خدا اس کی ضرورت پوری کرے گا. جو شخص کسی مسلمان کی بے چینی کو دور کرے گا تو قیامت کے دن خداوند عالم اس کی بے چینی کو دور کرے گا۔ جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا. اللہ اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ مسلم شریف ص ۳۲ ج ۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انگشت شہادت اور اسکی برابر کی انگلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ قیامت کے روز میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنّت میں اس طرح ہوں گے۔ یعنی ساتھ ہونگے۔

(بخاری شریف ص ۸۸۸)

پڑوسی اور اہلِ محلّہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

(۱) جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہیں دیتا۔

(بخاری شریف ص ۸۸۹)

(۲) خدا کی قسم مومن نہیں خدا کی قسم مومن نہیں خدا کی قسم

مومن نہیں۔ سوال کیا گیا کون یا رسول اللہ۔ ارشاد ہوا جس کا پڑوسی اس کی ایذا سے محفوظ نہ رہ سکے۔ (۸۸۵)

(۳) جبرئیل علیہ السلام ہمیشہ پڑوسی کے حق میں مجھے وصیت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مجھے خیال ہونے لگا کہ کہیں وارث نہ بنا دیا جائے۔ (ص۸۸۹)

(۴) اے صاحب ایمان خواتین! کسی پڑوسن کے ہدیہ کو حقیر مت سمجھو۔ بالفرض وہ بکری کا کھُر ہی بھیجے۔ (ص۸۸۹ بخاری شریف)

(ایک سوال) یا رسول اللہ۔ میرے دو پڑوسی ہیں۔ اگر زیادہ گنجائش نہ ہو تو ان میں سے کس کے پاس ہدیہ بھیجوں۔ ارشاد ہوا۔ جس کا دروازہ زیادہ پاس ہو۔ (ص۸۸۹، ص۳۰۰، ص۳۵۲)

ارشاد ہوا۔ اللہ کے دوستوں میں سب سے بہتر خدا کا دوست وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے لئے سب سے بہتر ہو۔ (ترمذی شریف باب حق الجوار)

غیر مسلم کے ساتھ انصاف اچھا سلوک اور اس کی حفاظت

سورہ ممتحنہ آیت ۸، ۹ کا ترجمہ یہ ہے۔

اللہ نہیں منع کرتا ہے تم کو ان لوگوں سے جو لڑتے نہیں تم سے دین پر اور نکالا نہیں تم کو تمھارے گھروں سے کہ ان سے بھلائی کرو اور انصاف کا سلوک کرو۔ بیشک اللہ چاہتا ہے انصاف والوں کو۔ اللہ تو منع کرتا ہے تم کو ان لوگوں سے جو لڑتے ہیں تم سے دین پر۔

اور نکالا تم کو تمھارے گھروں سے اور شریک ہوئے تمھارے نکالنے میں کہ ان سے کرو دوستی۔ اور جو کوئی ان سے کرے دوستی سو وہی ہیں گنہگار۔ (پ ۲۸ ع ۲ سورہ ممتحنہ)

اور تم لوگ برا نہ کہو ان کو جن کی یہ لوگ پرستش کرتے ہیں۔ اللہ کے سوا۔ پس وہ برا کہنے لگیں گے۔ اللہ کو بے ادبی سے بغیر سمجھے۔ (پ ۷ ع ۱۲ سورۂ انعام)

غیر مسلم ماں باپ کے متعلق قرآن پاک میں فرمان الٰہی ہے کہ شرک اور کفر میں ان کی پیروی مت کرو۔ باقی دنیاوی زندگی میں خوبی سے بسر کرو۔ (پ ۲۱ ع ۲ سورۂ لقمان)

جو شخص کسی غیر مسلم کو قتل کر دے جس سے معاہدہ ہو چکا تھا یا اپنے ملک کا باشندہ تھا، وہ جنّت کی خوشبو نہ سونگھ سکے گا۔

(ص ۴۴۸ بخاری شریف)

حضرت اسماءؓ کی والدہ مشرک تھیں۔ وہ ملنے کے لئے آئیں تو حضورؐ نے حضرت اسماءؓ سے فرمایا کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ (بخاری شریف ص ۳۵۷ وغیرہ)

دربارِ رسالت میں عرض کیا گیا ـــــ یا رسول اللہ مشرکوں پر بد دعا فرمایئے۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ـــ بد دعا کرنا میرا کام نہیں۔ میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (مسلم ص ۳۲۳ ج ۲)

عام جاندار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

(۱) ایک عورت نے بلّی کو باندھ دیا اور اس کو کھانے کو

نہ دیا یہاں تک کہ وہ مرگئی۔ اس پر وہ عذاب میں مبتلا کی گئی۔

(ص۳۱۸ بخاری ص۴۹۵ بخاری۔)

(۲) اور ایک فاحشہ عورت کو اس پر بخش دیا گیا کہ اس نے ایک کتّے کو جو پیاس سے سسک رہا تھا پانی پلایا۔ اس نے اپنے موزے میں دوپٹہ باندھ کر کنوئیں سے پانی نکالا اور اس کی حلق میں ٹپکا دیا۔ جس سے اس کی جان بچ گئی۔ (بخاری شریف ص۴۰۰۔ ص۴۹۳)

(۳) ایک چیونٹی نے ایک نبی کے کاٹ لیا۔ اس نبی نے چیونٹیوں کے سارے بل کو جلا ڈالا تو خدا نے اس پر عتاب نازل فرمایا کہ ایک چیونٹی کے کاٹنے پر ایک ایسی جماعت کو جلا دیا جو اللہ کی تسبیح پڑھتی تھی۔ (بخاری ص۴۲۲)

(۴) (صحابہ کرام) یارسول اللہ کیا ہمارے لئے اِن جانوروں پر رحم کرنے میں ثواب ہے۔ ارشاد نبویؐ ـــــ ہر ترجگر والے پر رحم کرنے میں ثواب ہے۔ (بخاری ص۸۸۹)

(۵) زمین والوں پر رحم کرو۔ آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

(ترمذی شریف ص۱۴ ج ۲۔)

(۶) صحابہ کرام کا طریقہ یہ تھا کہ کسی منزل پر قیام کرنا ہوتا تو پہلے اونٹوں کے اوپر سے کجاوہ وغیرہ اتار لیتے اس کے بعد نماز پڑھا کرتے تھے۔ (ابوداؤد شریف۔ باب مایؤمر من القیام علی الدواب)

خلق خدا کی خدمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خلق خدا، اللہ کی عیال۔ (کنبہ) ہے پس

مخلوقات میں اللہ تعالےٰ کے یہاں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اللہ کے عیال اور کنبہ پر سب سے زیادہ احسان کرتا ہو (بیہقی)

جو مسلمان لوگوں سے ریل میل رکھے، ان کی بری بات پر صبر سے کام لے۔ وہ اس مسلمان سے بہتر ہے جو الگ تھلگ رہے اور کسی کی برائی کو برداشت نہ کرے۔ (ترمذی شریف ص۱۳ ج ۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس شریف میں سب سے افضل وہ مانا جاتا جسکی خیر خواہی عام ہوتی اور سب سے بڑا مرتبہ اس کا سمجھا جاتا جو عوام کا بہترین ہمدرد ہوتا جو ان کے بوجھ اپنے اوپر اٹھا لینے میں سب سے بڑھا ہوا ہوتا۔ (شمائل ترمذی شریف ص۲۴)

تبلیغ اور تعلیم و تعلّم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ کیا برابر ہو سکتے ہیں اہل علم اور جاہل (درمنثور)

نیز ارشاد ہے اور چاہیئے کہ تم میں رہے ایک جماعت ایسی جو بلاتی رہے نیک کام کی طرف اور حکم کرتی رہے اچھے کاموں کا اور منع کرے برائی سے اور یہی پہونچے اپنی مراد کو، اور مت ہو ان کی طرح جو متفرق ہو گئے اور اختلاف کرنے لگے بعد اس کے کہ پہونچ چکے ان کو حکم صاف صاف اور ان کو بڑا عذاب ہے۔ (ج ۴ ع ۱۱ سورۂ آل عمران)

آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے جو لوگ دوسروں کو نصیحت کرتے ہیں اور خود عمل نہیں کرتے۔ قیامت کے روز ان کی انتڑیاں دوزخ کے انگاروں پر بکھری ہوئی ہوں گی۔ اور وہ ان کو اسی طرح گھسیٹتے ہوں گے جیسے خراس کا گدھا خراس کو۔ (ص۴۶۲ بخاری و ص۴۸۲ و ص۱۰۵۲ بخاری)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روحانی سیر میں ایک شخص کو دیکھا کہ اس کو چت لٹا دیا گیا ہے۔ اس کے سر پر ایک بہت بڑا پتھر مارا جاتا ہے، جس سے اس کا سر چور چور ہو جاتا ہے اور پتھر لڑھک جاتا ہے۔ مارنے والا پتھر اٹھانے جاتا ہے، اتنی دیر میں اس کا سر درست ہو جاتا ہے۔ وہ دوبارہ پتھر مارتا ہے اور پھر ایسا ہی ہوتا ہے۔ دریافت کرنے پر بتایا گیا کہ یہ وہ شخص ہے جس کو خدا نے قرآن کی دولت عطا فرمائی تھی مگر وہ عمل سے غافل رہا۔ (ص۱۸۵، ص۲۸۰ بخاری شریف)

تم میں بہتر وہ ہیں جنہوں نے قرآن شریف پڑھا اور پڑھایا۔ اور خداوند عالم جس کے لئے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اس کو دین کی سمجھ (بصیرت) عطا فرما دیتا ہے۔ (ص۷۳۹ بخاری شریف)

میری طرف سے احکام پہونچاؤ۔ اگرچہ ایک ہی آیت ہو۔ اور جو شخص میرے اوپر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے۔

(ص۴۹۱، ص۹۱۵، ص۱۷۲ بخاری شریف)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خطاب فرماتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ خدا کی قسم اگر خداوند عالم تمہارے ذریعہ سے ایک آدمی کو بھی ہدایت فرما دے تو یہ خدمت تمہارے لئے دنیا کی بڑی سے بڑی دولت سے بھی بہتر ہوگی۔ (ص۶۱۶ بخاری شریف)

بدعت اور اس سے پرہیز

قرآن کریم ـــــ اے ایمان والو داخل ہو جاؤ

اسلام میں پورے پورے اور مت چلو قدموں پر شیطان کے کہ بیشک
وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ (ج ۲۶۲ ـــــ سورۂ بقرہ)

شیطان کا کام یہ ہے کہ وہ وسوسہ ڈال کر بے اصل کام کو دل نشیں
کر دیتا ہے اور دین میں بدعتوں کو شامل کرا کر تمہارے دین کو خراب کرتا
ہے اور تم اس کو پسند کرتے ہو۔ (فوائد حضرت شیخ الہند)

اسلام میں جو کوئی برا طریقہ قائم کرے اس پر اس کا گناہ بھی ہوگا
اور اس طرح جو شخص اس پر عمل کرے گا اس کا گناہ اس کو بھی ملے گا۔
اور اس بدعت نکالنے والے کو بھی۔ کسی کے بوجھ میں کمی نہ ہوگی۔

(مسلم شریف ص۳۲۷ ج ۱)

جو کوئی ایسا کام کرے جو ہمارے طریقہ کے مخالف ہو۔ وہ کام
مردود ہے۔ (ص۳۷۱ بخاری)

میں حوض کوثر پر تمہارا امیر قافلہ ہوں گا۔ (یعنی تم سب سے
پہلے پہونچ جاؤں گا) تم میں سے کچھ آدمی آئیں گے۔ جب میں ان کو آب
کوثر دینا چاہوں گا۔ وہ بچلے ہوئے اونٹوں کی طرح دھتکار دئے جائیں
گے۔ میں پکاروں گا۔ ادھر آؤ۔ کہا جائے گا۔ تمہیں نہیں معلوم انہوں نے
کیا کیا۔ بدعتیں ایجاد کی تھیں۔ میں کہوں گا ہٹادو۔ ہٹادو۔

(ص۱۲۷ مسلم شریف ص۱۰۲۵ بخاری شریف)

ایثار اور قربانی اور جہاد فی سبیل اللہ

ایک مسلمان کی تجارت اور اس کا کاروبار

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ جو ایمان لائے جنہوں نے ہجرت کی اور مال وجان سے راہِ خدا میں جہاد کیا۔ وہ اللہ تعالےٰ کے یہاں درجہ میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں اور یہی ہیں کامیاب۔ (سورہ ۹ توبہ۔ آیت ۲۰)

اے ایمان والو! بتاؤں میں تم کو ایسی سوداگری جو بچائے تم کو عذاب دردناک سے۔ ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر۔ اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مال سے اور اپنی جان سے۔ یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔ (ج ۲۸ ع ۲ سورۂ صف)

اللہ نے خریدلی مسلمانوں سے ان کی جان اور ان کے مال اس قیمت پر کہ ان کے لئے بہشت ہے۔ (ع ۱۴ سورہ توبہ ج ۱۱)

جو اللہ کی راہ میں مرا وہ زندہ ہے

اور نہ سمجھو ان لوگوں کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں "مردے" وہ مرے نہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس۔ کھاتے پیتے،

خوشی کرتے ہیں، اس پر جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے۔

(ع ۱۷، آل عمران ج ۴۔)

شانِ اسلام کی بلندی یہ ہے کہ جو فریضہ مسلمان کے ذمہ ہو، وہ جان کی بازی لگا کر پوری تندہی سے اس کو انجام دے۔

(ذروۃ سنامہ الجہاد۔ ترمذی شریف ص۸۶ ج ۲)

احتساب نفس اور خود اپنی نگرانی

بڑی پیشی کے لئے (روز قیامت کے لئے) آراستہ ہو جاؤ۔ اور اس سے پہلے کہ تم سے حساب لیا جائے اپنا محاسبہ خود کرلو جو خود اپنا محاسبہ کرتا رہیگا اس پر قیامت کا حساب آسان ہو جائیگا (ترمذی ص۷۲ ج ۲)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔۔۔ قیامت کے روز انسان اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں ہٹ سکے گا جب تک ان پانچ باتوں کے متعلق اس سے سوال و جواب نہ ہو لے گا۔

(۱) اس کی عمر کے متعلق کہ کن کاموں میں اس کو ختم کیا۔
(۲) جوانی کے بارے میں کہ کن کاموں میں کھپائی۔
(۳) مال کے متعلق کہ کہاں سے کمایا۔
(۴) کن کاموں میں اس کو صرف کیا۔
(۵) اپنے علم پر کتنا عمل کیا۔

(ص۶۴ ج ۲۔ ترمذی شریف ابواب صفۃ القیامہ)

حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی روایت کرتے ہیں کہ میں نے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ یارسول اللہ ایسی بات بتا دیجئے جس کو مضبوطی سے سنبھال لوں۔ (اپنے پلّے باندھ لوں) فرمایا۔ دل سے اعتراف کرو کہ میرا رب اللہ ہے۔ اور اس پر جم جاؤ۔ میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ آپ کون سی بات میرے حق میں سب سے زیادہ خطرناک سمجھتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان پر ہاتھ رکھا اور فرمایا اس کو یعنی جھوٹ، غیبت، چغلی، گالی وغیرہ جو سخت گناہ ہیں۔ وہ زبان سے ہی ہوتے ہیں۔ لہذا اس کی حفاظت کرو۔ (باب حفظ اللسان ترمذی شریف)

عام مسلمان اور باہمی اتحاد

فرائض اور طریقے

قرآن حکیم | مسلمان جو ہیں، سو بھائی ہیں۔ سو ملاپ کرادو اپنے دو بھائیوں میں اور ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم پر رحم ہو۔ (ج ۲۶ ع ۱۴ سورہ حجرات)

آپس میں نہ جھگڑو کہ بزدل ہو جاؤ گے اور جاتی رہے گی تمہاری ہوا۔ اور صبر کرو۔ بے شک اللہ ساتھ ہے صبر کرنے والوں کے۔ (ج ۱۰ ع ۶ سورۃ انفال۔)

اور مت ہو ان کی طرح جو متفرق ہو گئے۔ اور اختلاف کرنے لگے بعد اس کے کہ پہونچ چکے ان کو حکم صاف صاف۔ (ع ۱۱ سورہ آل عمران ج ۴)

اور مضبوط پکڑو رسّی اللہ کی مل کر اور پھوٹ نہ ڈالو۔

(۱۱۶ سورہ آل عمران ۳ع)

تمام مسلمان گویا ایک دیوار ہیں۔ جس کا ایک حصہ دوسرے کو تھامتا ہے اور مضبوط کرتا ہے۔ (بخاری شریف)

مویدات اتحاد

یعنی وہ تعلیمات جن پر عمل ہو تو مقصد اتحاد کو قوت پہونچے

قرآن حکیم: آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور پرہیزگاری پر اور مدد نہ کرو گناہ پر اور ظلم پر۔ (۱ع سورہ مائدہ ـــــ ج ۶)

اور کہدے میرے بندوں کو کہ بات وہی کہیں جو بہتر ہو بیشک شیطان چھیڑ پر کروا دیتا ہے اِن میں، بے شک شیطان ہے۔ انسان کا دشمن صریح۔ (ج ۱۵ ع ۶ ـــــ سورہ بنی اسرائیل)

اے ایمان والو ٹھٹا نہ کریں ایک لوگ دوسرے لوگوں سے شاید وہ بہتر ہوں ان سے۔ اور عیب نہ لگاؤ ایک دوسرے کو اور نام نہ ڈالو چڑانے کا ایک دوسرے کو۔ برا نام ہے "گنہگاری" پیچھے ایمان کے۔ اور جو کوئی توبہ نہ کرے تو وہی ہیں بے انصاف۔ اے ایمان والو! بچتے رہو بہت سے گمانوں سے۔ کیونکہ بعض گمان گناہ

ہوتے ہیں اور بھید نہ ٹٹولو کسی کا۔ اور برا نہ کہو کسی کو پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کے۔ بھلا خوش لگتا ہے۔ (اچھا لگتا ہے) تم میں سے کسی کو کھاوے گوشت اپنے بھائی کا جو مردہ ہو۔ سو گھن آتا ہے تم کو اس سے۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے۔ بیشک اللہ معاف کرنے والا ہے مہربان۔

اے آدمیو! ہم نے تم کو بنایا ایک مرد اور ایک عورت سے اور رکھیں تمہاری ذاتیں اور قبیلے تاکہ آپس میں پہچان ہو۔ تحقیق عزت اللہ کے یہاں اسی کو بڑی جس کو ادب بڑا۔ اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ خبردار ہے۔ (ج ۲۶ ع ۲ سورۂ حجرات)

(یعنی صفت نیک چاہیئے۔ بڑی ذات کس کام کی۔ قوم اور ذات کی اکڑفوں عیب ہے۔) (موضح۔ شیخ الہند)

اے ایمان والو! اگر آئے تمہارے پاس کوئی گنہگار ــــــ (ناقابل اعتماد) خبر لے کر تو تحقیق کر لو۔ کہیں جا نہ پڑو کسی قوم پر نادانی سے۔ پھر کل کو اپنے کئے پر لگو پچھتانے۔ (ج ۲۶ ع ۱ سورہ حجرات)

اور نہ پیچھے پڑ جس بات کی خبر نہیں تجھ کو (کہ تحقیق سے دعوے کرنے لگے یا گواہی دے) بیشک کان اور آنکھ اور دل ان سب کی اس سے پوچھ ہو گی۔ (ج ۱۵ ع ۴ سورہ بنی اسرائیل)

احادیث۔ جس نے ہمارے مقابلہ پر ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں نہیں۔

(ص۱۰۱۵ ص۱۴۷ بخاری شریف)

جب دو مسلمان تلوار لے کر مقابل ہوں تو قاتل اور مقتول

دونوں دوزخ میں۔ کیونکہ مقتول بھی اپنے قاتل کو قتل کرنے کی کوشش کررہا تھا۔ (مختصراً) (بخاری شریف صفحہ ۱۰۱۵)

جو شخص اپنے بھائی پر ہتھیار سے اشارہ کرے تو فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں۔ جب تک وہ ہتھیار نہ رکھ دے اگرچہ اس کا حقیقی بھائی ہو۔ (مسلم صفحہ ۳۲۸ ج ۲)

اپنے بھائی کی مدد کرو۔ ظالم ہو یا مظلوم۔ سوال کیا گیا۔ یا رسول اللہ مظلوم کی مدد کر سکتے ہیں۔ ظالم کی کس طرح؟ فرمایا اس کے ہاتھ پکڑلو۔ (بخاری شریف صفحہ ۳۳۱، صفحہ ۱۰۲۸)

میرے بعد تم پھر دوبارہ کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارتے پھرو۔ (صفحہ ۱۰۱۴، صفحہ ۹۳۲، صفحہ ۸۳۳۔ بخاری شریف)

مسلمان پر لعنت کرنا یا کفر کی تہمت لگانا اس کے قتل کے برابر ہے۔ (صفحہ ۹۸۴ بخاری شریف)

مسلمان کو (بلاوجہ) گالی دینا فسق ہے۔ اور (خوامخواہ) جنگ کرنا شعار کفر ہے۔ (بخاری شریف صفحہ ۱۰۲۸)

بھید مت ٹٹولو۔ نہ چھپ چھپ کر باتیں سنو۔ نہ بغض رکھو نہ پیٹھ پیچھے برائی کرو۔ اللہ کے بندو بھائی بھائی بن کر رہو۔

(صفحہ ۸۹۶ صفحہ ۷۲ ــــ بخاری شریف)

کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے۔ (صفحہ ۸۹۶ بخاری) کہ دونوں آپس میں ملیں یہ اِدھر کو منہ پھیرلے وہ اُدھر کو۔ ان دونوں میں بھلا وہ ہے جو پہلے

سلام کرے۔ (ص۸۹۷ بخاری شریف)

جو باہمی مصالحت کی خاطر ایک کے سامنے دوسرے کی طرف سے کلمۂ خیر نقل کرتا ہے۔ وہ کذاب نہیں۔ (اگرچہ وہ کلمۂ خیر خود اس کا بنایا ہوا ہو۔) (ص۳۷۱ بخاری شریف)

مسلمان وہ ہے کہ اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے تمام مسلمان محفوظ رہیں۔ (ص۶ بخاری شریف)

مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ کسی امداد کے موقع اس کو بے یار و مددگار چھوڑے اور نہ اس کو حقیر سمجھے۔ (تین مرتبہ سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) تقویٰ یہاں ہے۔ ایک مرد کے لئے یہی برائی اور شر کافی ہے کہ مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے یعنی اس کا خون بھی۔ اس کا مال بھی۔ اس کی آبرو بھی۔ اللہ تمہاری صورتوں اور تمہاری دولتوں کو نہیں دیکھتا۔ اللہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے اور تمہارے عملوں کو۔ (بخاری ص۲۳ مسلم ص۳۱۷ ج ۲)

سارے مسلمان آپس میں ایک بدن کی طرح ہیں۔ اگر ایک چھوٹے سے حصہ کو تکلیف ہوتی ہے تو تمام بدن بے چین ہو جاتا ہے۔ (بخاری شریف ص۸۸۹)

ارشاد ہوا۔ ہر مسلمان کے دوسرے مسلمان کے ذمہ چھ حق ہیں۔

(۱) جب ملاقات ہو سلام کرے۔

(۲) دعوت منظور کرے۔
(۳) چھینک آئے تو یرحمک اللہ کہے۔
(۴) بیمار ہو تو مزاج پرسی کرے۔
(۵) وفات ہو جائے تو جنازے کے ساتھ جائے۔
(۶) جو بات اپنے لئے پسند کرتا ہے وہ اس کے لئے بھی پسند کرے۔ (ترمذی شریف۔ باب ماجاء فی تشمیت العاطس)

تعاون اور عدم تعاون

قرآن حکیم آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور پرہیزگاری پر۔ اور نہ مدد کرو گناہ پر اور ظلم پر۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔ (ج ۶۔ ع ۵ سورۃ المائدہ) ۵

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ راہ خدا میں تعاون باہمی سا اللہ کے لئے محبت اور اللہ کے لئے بغض ایمان کی مضبوط کڑیاں ہیں (بیہقی)

مساوات اور بھائی چارہ

اسلام نے انسان کی صرف دو قسمیں کی ہیں۔
۱۔ خدا کو ماننے والا اور اس کا فرمان بردار یعنی مسلم۔
۲۔ منکر خدا۔ اور نافرمان یعنی کافر۔
پھر مسلمان سب بھائی بھائی۔ کافر سب برابر۔

فرماں برداروں (مسلمانوں) کو ہدایت فرمائی ـــــ

اے ایمان والو! ـــــ ٹھٹّا نہ کریں (مذاق نہ بنائیں) ایک برادری کے مرد دوسری برادری والوں کا۔ بہت ممکن ہے وہ بہتر ہوں ان سے۔ نہ مذاق بنائیں اور ہنسی اڑائیں عورتیں دوسری عورتوں کا۔ بہت ممکن ہے وہ بہتر ہوں ان سے۔ اور عیب نہ لگاؤ اور چڑانے کے لئے نام نہ ڈالو۔ (سورۂ حجرات رکوع ۲)

اہلِ ایمان کے لئے اس ہدایت کے بعد اگلی آیت میں وہ ارشاد خداوندی ہے جس نے تمام انسانوں کو مساوات کی ایک سطح پر لا کھڑا کیا۔ فرق رکھا تو محض ایمانداری، تقویٰ اور بے ایمانی اور بدکاری کا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ اے آدمیو! ہم نے تم کو بنایا ایک مرد اور ایک عورت سے۔ اور تمہارے کنبے اور قبیلے اس لئے بنا دئے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اللہ کے یہاں اسی کو عزّت ہے جس کو ادب اور تقویٰ زیادہ ہے۔

(سورہ حجرات ع ۲ پ ۲۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد نے مزید توضیح کردی کہ تم سب آدم سے پیدا ہوئے۔ اور آدم مٹی سے۔

(ابوداؤد ج ۲ ص ۳۵۰)

مزید برآں نسب میں طعن کرنے کو کفر کی چیز قرار دیا۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے۔ دو باتیں کفر کے زمانے کی لوگوں کے اندر ہیں۔ نسب میں طعن کرنا اور میّت پر نوحہ کرنا۔ (مسلم ص ۵۸ ج ۱)

اسلام میں چھوت چھات نہیں

انسان خدا کی باعزّت مخلوق ہے

قرآن حکیم (۱) اس حقیقت پر غور کرو۔ جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سربسجود ہوجائیں وہ جھک گئے۔ مگر ابلیس کی گردن نہیں جھکی۔ اس نے نہ مانا اور گھمنڈ کیا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ منکروں میں سے تھا۔

(سورہ ۲ بقرہ آیت ۳۴)

(۲) ہم نے عزت دی ہے آدم کی اولاد کو، اور سواری دی ان کو جنگل اور دریا میں، اور روزی دی ستھری (طرح طرح کے پھل دئے غلّہ اور گوشت وغیرہ کو صاف کرنا اور پکانا سکھایا) اور جو مخلوقات ہم نے پیدا کیں ان میں اکثر پر انسان کو برتری دیدی۔ پوری پوری برتری جیسی کہ ہونی چاہیئے۔ (سورہ بنی اسرائیل ع ۶)

آدمی کا جھوٹا پاک ہے۔ مرد ہو یا عورت، مومن ہو یا کافر (ہدایہ وغیرہ۔)

معاملات اور اقتصادیات

خرید و فروخت۔ حلال و حرام کمائی۔ سود۔ قرض حسن۔ کھیتی اور پیشے

قرآن حکیم کھاؤ ستھری چیزیں جو روزی ہم نے تم کو دی۔ اور نہ کرو اس میں زیادتی۔ پھر تو اترے گا تم پر میرا غضب اور جس پر اترا میرا غصّہ سو وہ پٹکا گیا۔ (ج ۱۶ ع ۴ ــ سورۂ طٰہٰ)

پھر جب تمام ہو چکے نماز تو پھیل پڑو زمین میں اور ڈھونڈو فضل اللہ کا (یعنی روزی تلاش کرو) اور یاد کرو اللہ کو بہت سا تاکہ تمہارا بھلا ہو۔ (ج ۲۸ ع ۲ سورۂ جمعہ)

آنحضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک طویل حدیث کا مفہوم ہے۔

قرآن شریف اور احادیث میں حلال اور حرام کو واضح کر دیا گیا ہے۔ مگر حلال و حرام کے بیچ کچھ ایسے امور ہیں جن کے متعلق وضاحت قرآن و حدیث میں نہیں ہے کیونکہ وہ عموماً وہ ہیں جو بعد میں پیدا ہوئے یا پیدا کئے گئے۔ ان میں کچھ مشابہت حلال کی ہے کچھ حرام کی۔

مومن کا کام یہ ہے کہ جن کے حلال اور جائز ہونے میں شبہ ہے ان سے احتیاط برتے۔ اور ان کے پاس بھی نہ جائے کہ اس کا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ رفتہ رفتہ وہ ایسے کام کرنے لگے جو

قطعاً حرام ہیں۔) پس جس شخص نے شبہ کی چیزوں سے پرہیز کیا اس نے اپنے دین اور آبرو کو بچا لیا۔ اور جو شخص شبہ کی چیزوں میں پڑ گیا وہ حرام میں جا دھنسا۔ مثلاً کوئی چرواہا سرکاری چراگاہ کے آس پاس اپنے مویشی چرا رہا ہے۔ تو اندیشہ ہے کہ مویشی سرکاری چراگاہ میں پہونچ جائیں۔

دیکھو حقیقی شہنشاہ یعنی رب العالمین کی گویا مخصوص چراگاہ محرمات ہیں۔

یاد رکھو انسان کے بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ درست رہتا ہے تو جذبات بدن کا سارا عالم درست رہتا ہے۔ اور اگر وہ خراب ہو جاتا ہے تو جسمانی مقتضیات کا سارا جہان تباہ ہو جاتا ہے۔ یاد رکھو انسان کا یہ چھوٹا سا ٹکڑا جو بشری جذبات پر حکمراں ہے وہ دل ہے۔ (احتیاط برتو کہ یہ شبہ کی چیزوں کی طرف نہ چلے) محرم، تعزیے، شبرات، سویم، چہلم، برسی وغیرہ ان تمام کاموں کے متعلق جن کو بدعت کہا جاتا ہے۔ نیز شادی بیاہ وغیرہ کے مراسم قبیحہ۔ علیٰ ہذا جن میں سود یا رشوت وغیرہ کا شبہ ہے۔
ایسے تمام امور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مقدس کو بنیادی اصول مان لینا چاہیئے کہ جو شخص ان شبہ کی باتوں سے بچا اس نے اللہ تعالےٰ کے یہاں اپنا دین بھی بچا لیا اور اللہ کے دربار میں اپنی آبرو بھی بچا لی۔ (بخاری شریف و مسلم وغیرہ)

(یاد رکھو) جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ (متاع دنیا کی)

ایک حقیر قیمت کے لئے اللہ کا عہد (جو ان سے نیک عملی اور دیانتداری کے لئے کیا گیا تھا۔) اور خود اپنی قسمیں جو یقین دلانے کے لئے۔ کھاتے ہیں فروخت کر ڈالتے ہیں۔ اور دیانتداری کی جگہ خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ تو یہی لوگ ہیں کہ آخرت میں ان کا کوئی حصّہ نہیں ہوگا۔ نہ تو قیامت کے دن اللہ ان سے کلام کرے گا۔ اور نہ ان پر اس کی نظر التفات پڑے گی۔ نہ گناہوں کی آلودگی سے پاک کئے جائیں گے۔ بس ان کے لئے عذاب ہوگا۔ عذاب دردناک۔ (ج ۳ ع ۸ سورۂ آل عمران۔ بخاری ص۶۵۲)

تجارت

احادیث خدا رحم کرے اس شخص پر جو فروخت، خرید اور تقاضہ کرنے میں نرم ہو۔ (ص۲۷۸ بخاری شریف)

پورا بھر دو ناپ جب ناپ کر دینے لگو۔ اور تولو سیدھی ترازو سے۔ یہ بہتر ہے اور اچھا ہے۔ اس کا انجام۔

(ج ۱۵ ع ۴۔ بنی اسرائیل)

قرآن حکیم (۱) اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر نہ کھاؤ۔ ہاں البتہ کوئی تجارت باہمی رضامندی سے ہو (سورۂ نساء آیت ۲۹) ناپ تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو۔ لوگوں کو ان کی چیزیں ان کے حق سے کم نہ دو (ڈنڈی نہ مارو) ملک میں شر اور فساد پھیلاتے نہ پھرو۔ (سورۂ ہود آیت ۸۵)

سچا اور امانت دار تاجر قیامت کے روز انبیاء صدیقین
اور شہدا کے ساتھ ہوگا۔ (ترمذی ص۱۴۵ ج ۱)
قسم سے مال بک جاتا ہے مگر برکت مٹ جاتی ہے۔
(بخاری شریف ص۲۸)

صنعت و حرفت

(پیشے اور دستکاری)

اور ہم نے سکھائی ان کو (داؤد علیہ السلام کو) زرہ بنانے
کی صنعت (سورہ ۲۱ الانبیاء آیت ۸۰)
کوئی شخص کوئی غذا اس سے بہتر نہیں کھا سکتا جو
دست کاری سے کمائی ہو۔ حضرت داؤد علیہ السلام دستکاری
ہی کی کمائی سے کھایا کرتے تھے۔ (بخاری شریف ص۲۷۸)
لکڑیاں چن کر ایک گٹھر کمر پر لاد کر لائے۔ اس سے بہتر
ہے کہ کسی سے مانگے۔ وہ اس کو دے یا نہ دے۔ ذلت اور خدا
کی ناراضگی اس کے علاوہ۔ (ص۲۷۸، ص۳۱۹ بخاری شریف)

زراعت

ہمارے انصار بھائی ان کے نوکر نہیں تھے وہ کھیت کا کام خود کیا کرتے
تھے۔ (ابوہریرہ ص۳۱۹ بخاری) جب کوئی مسلمان کوئی درخت لگائے یا کھیتی بوئے
اور اسے کوئی پرندہ یا آدمی یا چوپایا کھالے یا کوئی چرالے یا کوئی

نقصان پہونچادے تو اس کے لئے صدقہ شمار ہوگا۔

(بخاری ص۳۱۲ مسلم ص۱۵ ج ۲)

جس کے پاس زمین ہو وہ یا خود بولے یا کسی کو مفت بونے کو دیدے۔ (بخاری شریف ص۲۱۵)

مال کا جمع کرنا اور اس کی حفاظت

سیدالانبیاء رحمۃ للعالمین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہیں۔

اگر تم اپنے وارثوں کو غنی (خوش حال) چھوڑو گے تو یہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ تم ان کو فقیر کنگال چھوڑو۔ کہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ (ص۱۳، ص۳۸۲ وغیرہ)

بہتر ہے صدقہ وہ جو غنی کے بعد ہو۔ (بخاری شریف ص۳۶، ص۱۹۲)

ایک شخص! یا رسول اللہ اگر کوئی شخص میرا مال چھیننا چاہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ــــ مت دو۔

صحابی ــــ اگر مجھ سے لڑے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ــــ تم بھی لڑو۔

صحابی ــــ اگر وہ مجھے مار ڈالے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ــــ تم شہید ہو گے۔

صحابی ــــ اگر میں اس کو مار ڈالوں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ـــــ وہ دوزخ میں جائے گا۔

(مسلم شریف ص۱۸ ج۱)

قرض حسنہ یعنی بلا سود کا قرض

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ نماز قائم کرو۔ زکوٰۃ ادا کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دو اور جو نیک عمل اپنے لئے آگے بھیجدوگے اسکو اللہ کے پاس پہونچکر اس سے اچھا اور ثواب میں بڑھا ہوا پاؤ گے۔ (سورہ مزمل آیت) صدقہ کا ثواب دس گنا ہے اور قرض دینے کا اٹھارہ گنا۔ (جمع الفوائد ص۱۸ ج۱۔)

کیونکہ جس کو صدقہ دیا جاتا ہے۔ لبسا اوقات اس کو چنداں ضرورت نہیں ہوتی۔ اور قرض وہی لیتا ہے جس کو سخت ضرورت ہوتی ہے۔ جو شخص تنگ دست کو مہلت دے تو ہر دن اس کو پورا قرض صدقہ کرنے کا ثواب ملتا رہے گا۔ (جمع الفوائد ص۲۵۳)

حضرت سعد بن ہشام رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ زمین جائداد بیچ کر سامانِ جنگ خریدیں اور اپنی ساری عمر جہاد میں گذار دیں۔ تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ نے منع فرمایا کہ (بلا ضرورت) ایسا کرنا اسوۂ نبویہ کے خلاف ہے۔ (مسلم ص۲۵۵ و ص۲۵۶ ج۱)

جس شخص کو پسند ہو کہ خدا اس کو قیامت کی بے چینی سے نجات دیدے تو چاہیئے کہ تنگ دست کو مہلت دے۔ یا معاف کردے۔ (مسلم شریف ص۱۸ ج۲)

تم میں بہتر وہ ہیں جو حق ادا کرنے میں بہتر ہوں۔

(بخاری شریف ص۳۰۹)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں دعا مانگا کرتے تھے خداوندا میں گناہ اور قرض سے پناہ مانگتا ہوں۔ کسی نے عرض کیا یارسول اللہ آپ قرض سے اس قدر کیوں پناہ مانگتے ہیں۔ فرمایا مقروض شخص بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے۔ وعدہ کرتا ہے تو خلاف کرتا ہے۔ (ص۲۲۳ بخاری شریف)

ارشاد ہوا۔ صاحب حق کو کہنے کا حق ہے۔ (ص۳۰۹ بخاری)

غنی یعنی مقدور والے کی ٹال مٹول ظلم ہے۔

(ص۳۰۵، ص۲۲۳ بخاری شریف)

ایک صاحب کا انتقال ہوگیا۔ ان پر قرض تھا۔ ترکہ اتنا نہیں تھا کہ قرض ادا ہو سکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی نماز پڑھانے سے انکار کر دیا۔ جب ایک صاحب نے ذمہ داری لی کہ وہ قرض ادا کر دیں گے۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی۔ (بخاری شریف ص۳۰۵)

هدیہ: طمع اور سوال کے بدوں جو مال تمھارے پاس آئے اس کو لے لو۔ ورنہ اپنے نفس کو اس کے پیچھے مت لگاؤ۔ (کہ ہدیہ لینے کی ترکیبیں نکالو۔) (ص۱۰۶۲ بخاری شریف)

محرمات وممنوعات

کسبِ حرام
یعنی
حرام کمائی

ایک شخص پردیسی دور دراز مارا مارا پھر رہا ہے۔ بال بکھرے ہوئے، گرد سے اَٹے ہوئے۔ وہ ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھاتا ہے اور پکارتا ہے اے خدا۔ اے رب العالمین مگر حالت یہ ہے کہ کھانا بھی حرام۔ پینا بھی حرام۔ حرام ہی سے تربیت ہوئی اور بڑھا۔ ایسے شخص کی دعا کہاں قبول ہو سکتی ہے۔ (مسلم صـ۳۲۶ـ ج ۱)

سُود

قرآن حکیم | جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ نہیں کھڑے ہوں گے مگر جیسے وہ کھڑا ہوتا ہے جس کو حواس باختہ کر دیا ہو شیطان نے چھو دینے سے۔ (جیسے کوئی مرگی کا روگی ہو) (سورہ بقرہ آیت ۲۷۵)

(آج مشاہدہ ہے۔ دولت بے شمار ہے۔ مگر اطمینان میسر نہیں۔ ہر بڑی طاقت دوسری طاقت سے خوفزدہ ہے۔ امن عالم کا شور ہے مگر آلات وہ ایجاد کئے جا رہے ہیں جو بڑی تیزی سے زیادہ سے زیادہ تباہ کن ہوں گویا پوری دنیا آسیب میں مبتلا ہے۔) اس کے بعد ارشاد ربانی ہے۔

اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو کچھ باقی رہ گیا ہے سود۔ اگر تم کو یقین ہے اللہ کے فرمانے کا۔ پھر اگر نہیں چھوڑتے تو تیار ہو جاؤ لڑنے کو اللہ سے اور اس کے رسول سے۔ اور اگر توبہ کرتے ہو تو تمہارے واسطے ہے اصل مال تمہارا۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ کوئی تم پر۔ اور اگر ہے تنگ دست تو مہلت دینی چاہیئے فراخی ہونے تک۔ اور بخش دو تو بہت بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم کو سمجھ ہو۔ اور ڈرتے رہو اس دن سے کہ جس دن لوٹائے جاؤ گے اللہ کی طرف۔ پھر پورا دیا جائے گا ہر شخص کو جو اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔ (ج ۳ ع ۳۸ — سورہ بقرہ)

احادیث | سید الانبیاء رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روحانی سیر میں ایک شخص کو دیکھا کہ وہ خون کے دریا میں کھڑا ہے اور وہاں سے نکلنے کے لئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

بے قرار ہے۔ مگر ایک شخص کنارہ پر کھڑا ہے۔ جب دریا والا آدمی باہر نکلنا چاہتا ہے تو یہ کنارے والا اس زور سے پتھر مارتا ہے، کہ دریا والا آدمی اوندھے منہ دریا ہی میں گر جاتا ہے۔ وہ پھر اٹھتا ہے۔ یہ پھر اسی طرح پتھر مارے جاتا ہے۔ دریافت کرنے پر بتایا گیا کہ یہ دریا والا سود خوار ہے۔ (بخاری شریف ص۱۸۵۔ ص۱۰۴۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے سود کھانے والے پر اور کھلانے والے پر (یعنی سود دینے والے پر)

(بخاری شریف ص۲۹۸)

اس کے لکھنے والوں پر اور اس کے گواہوں پر۔ اور فرمایا یہ سب برابر ہیں۔ (مسلم شریف ص۲۷ ج۲)

رشوت

رشوت لینا حرام ہے۔ اس کا واپس کرنا فرض ہے۔
ناحق کام کرانے کے لئے رشوت دینا بھی حرام ہے۔

احادیث: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی رشوت لینے والے پر اور اس رشوت دینے والے پر جو رشوت دے کر ناجائز حق حاصل کرے۔ (ترمذی شریف ص۱۵۹ ج۱)

ذخیرہ اندوزی اور بلیک مبل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ المحتکر ملعون.

ذخیرہ اندوزوں پر خدا کی لعنت۔ (صحاح)

شرک وریا اور گناہ کبیرہ

(۱) شرک یعنی اللہ تعالےٰ واحد برحق کی معبودیت میں کسی کو شریک بنانا سب سے بڑا گناہ اور سب سے بڑا ظلم ہے۔ خدا پر نہیں، خدا کے فرشتوں اور نبیوں پر نہیں بلکہ خود اپنے اوپر اپنی شخصیت پر۔ اپنی عزت وحرمت پر۔ جس کو اللہ تعالےٰ نے تمام مخلوق پر فضیلت بخشی۔ حتیٰ کہ فرشتوں کی پیشانیاں بھی اس کے سامنے جھکوائیں۔ وہ خود اپنے آپ کو کسی مخلوق کے سامنے ذلیل کرے یہاں تک کہ اس کے سامنے ماتھا رگڑنے لگے۔ اس سے بڑھکر ناانصافی، ناسپاسی، ناشکرگذاری اور کور باطنی کیا ہوسکتی ہے۔ اسی لئے ہر ایک گناہ بخشا جاسکتا ہے۔ مگر یہ گناہ جس میں انسان اپنی فطرت کو معکوس کردے۔ اپنی خودی اور اپنی حمیت کو پامال کرے، اس کی معافی نہیں ہوسکتی۔ اگر یہ ممکن ہے۔ کہ اونٹ اپنے تن وتوش اور اپنے پورے جثہ اور ہیکل کے ساتھ سوئی کے ناکے سے نکل جائے تو یہ بھی ممکن ہوسکتا ہے کہ مشرک کا شرک معاف کردیا جائے۔ ایک رفعت پناہ جو عزت وعظمت کے آسمان پر تھا۔ وہ خود اوندھا ہوکر آسمان سے گر رہا ہے۔ تو اب اس کے لئے یہی صورت ہے کہ شکاری پرندے اس کو دبوچ کر ختم کردیں یا کسی

گہرے غار میں گر کر وہ اپنے آپ کو نیست نابود کر دے۔ جس پر دنیا ہمیشہ ماتم کرتی رہے۔

(۲) ایک عبادت گزار جس طرح غیر اللہ کو سجدہ کر کے شرک کر رہا ہے۔ اسی طرح اگر وہ یہ عبادت دکھاوے کے لئے کر رہا ہے تو یہ بھی شرک کا عمل کر رہا ہے۔ وہ شرک جلی تھا یہ شرک خفی ہے۔ پوشیدہ اور چھپا ہوا شرک۔ ارشاد ہوا۔

میں تمھارے حق میں جس بات کا سب سے زیادہ خطرہ محسوس کرتا ہوں، وہ شرک اصغر (چھوٹا شرک) ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ چھوٹا شرک کیا۔ فرمایا۔ ریاء اور دکھاوا کرنا۔

(احمد بحوالہ مشکوۃ شریف باب الریاء)

حضرت ابو داؤد رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ خشوع النفاق سے اللہ کی پناہ مانگو۔ دریافت کیا گیا۔ خشوع النفاق کیا۔ فرمایا۔ بدن کا انداز یہ ہو کہ آپ بڑے خدا ترس ہیں۔ اور دل خوف خدا سے خالی ہو۔ (کتاب الزہد والرقاق)

دوسرے کبائر گناہ

کبیرہ گناہوں کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا۔ ارشاد ہوا۔ اللہ کا شریک ماننا۔ ماں باپ کی نافرمانی۔ کسی کو ناحق قتل کر دینا اور جھوٹی گواہی دینا۔ (بخاری ص۹۵)

اور جھوٹی قسم۔ (ص۹۸۷ بخاری شریف)

اور ارشاد ہوا۔ سات ہلاک کرنے والیوں سے بچو۔

صحابہ — یا رسول اللہ وہ کیا ہیں؟

دربار رسالت کا جواب — شرک، جادو، قتل ناحق، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، جہاد سے پیٹھ پھیر کر بھاگنا، پاک دامن اور نیک مومن عورتوں پر تہمت لگانا۔ (بخاری شریف ص۳۸۸ ص۱۰۱۲ مسلم ص۶۴ ج۱)

جھوٹ۔ مکر۔ فریب۔ دغا بازی

ارشاد ہوا۔ دیکھو سب سے بڑا کبیرہ گناہ بتاتا ہوں۔ ہیر پھیر کی بات اور جھوٹی گواہی۔ (ص۸۸۴ بخاری شریف)

جھوٹ بلاشبہ فجور (بدکاری) کا راستہ بتاتا ہے۔ اور بدکاری آگ میں پہونچا دیتی ہے۔ اور انسان (بطور مذاق) بنا کر جھوٹ بولتا ہے۔ (رفتہ رفتہ) اللہ کے یہاں کذّاب لکھدیا جاتا ہے۔ معاذ اللہ۔ (ص۹۰۰ بخاری شریف)

منافق اور نفاق کی خصلتیں

قرآن حکیم | منافق دوزخ کے سب سے نیچے طبقے میں ہوں گے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ (سورہ نساء آیت ۱۴۵)

ارشاد ہوا — نفاق کی خصلتیں یہ ہیں — بات کرے تو جھوٹ بولے۔ وعدہ کرے تو پورا نہ کرے۔ معاہدہ کرے تو دھوکا

دے۔ کسی سے جھگڑا ہو تو گالیوں پر اتر آئے۔ کوئی امانت سپرد کی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ (بخاری ص۳۲۲ ص۲۵۱ مسلم ص۵۶ ج۱)
اگرچہ وہ روزہ نماز کا عادی ہو اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہو۔ (بخاری مسلم)

بدگمانی

ارشاد ہوا۔ بچو (برے) گمان سے کیونکہ (برا) گمان بدترین جھوٹ ہے۔ (ص۸۹۶، ص۷۷۲، ص۳۸۴۔ بخاری شریف)

جب کسی کی طرف سے دل میں میل اور کھوٹ ہوتا ہے تو اس کے متعلق گمان برا ہی ہوتا ہے۔ پھر یہ برا گمان اور برے گمان پیدا کر دیتا ہے۔ اس طرح رنج اور کدورت میں اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔ لہٰذا جب تک کوئی حقیقت نہ ہو گمان سے کام نہ لو۔

غصّہ اور تکبّر

قرآن حکیم اور مت چلو زمین پر اکڑ کر۔ یقیناً تم زمین میں شگاف نہیں ڈال سکتے اور نہ پہاڑوں کی لمبائی تک پہونچ سکتے ہو۔ (سورہ ص۱۷ بنی اسرائیل آیت ۳۷۔)

نیز ارشاد ہے اور اپنے گال مت پھلا لوگوں کی طرف۔ اور مت چل زمین پر اتراتا۔ بے شک اللہ کو نہیں بھاتا کوئی اترانے والا۔ اور چل بیچ کی

چال اور نیچی کر اپنی آواز۔ بے شک بری سے بری آواز گدھے کی آواز ہے۔ (ع ۲ ج ۲۱ سورۃ لقمان)

احادیث | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے عزت وعظمت اور بڑائی گویا میری چادر اور ازار ہیں جو شخص خود بڑا بنکر (گھمنڈ کرکے) ان کو مجھ سے چھیننا چاہیگا میں اسکو عذاب میں مبتلا کردوں گا (مسلم شریف) خداوند عالم اس شخص کیطرف رحمت کی نظر نہیں فرمائے گا جو اپنے کپڑے تکبّر سے کھینچتا چلتا ہے (بخاری شریف ص۸۶۰)

قوی وہ نہیں جو دوسروں کو پچھاڑے۔ قوی وہ ہے جو غصّہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔ (ص۳۰۹ بخاری شریف)

جنّت میں نہیں جائے گا وہ شخص جس کے دل میں ذرّہ برابر تکبّر ہو۔

ایک صحابی — یا رسول اللہ ایک شخص پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں، جوتے اچھے ہوں۔

ارشاد فرمایا۔ اللہ جمیل ہے۔ جمال کو پسند فرماتا ہے۔ تکبّر نام ہے حق بات کے سامنے اکڑنے اور لوگوں کو حقیر سمجھنے کا۔

(مسلم شریف ص۶۵ ج ۱)

بد خلقی

اللہ کے یہاں اس شخص کی حیثیت بدترین ہے جس کی بدزبانی اور بدخلقی کی وجہ سے لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا ہو۔

(بخاری ص۸۹۱ مسلم ص۳۲۲ ج ۲)

میں تمھیں بتاتا ہوں دوزخی کون ہے ـــ سخت مزاج تندخو، بخیل، متکبر، مغرور۔ (صـ۸۹۶ بخاری شریف)

میری اُمّت میں مفلس وہ ہے کہ قیامت کے دن نماز، روزہ، زکوٰۃ جیسے کام اس کے پاس ہوں گے۔ لیکن دنیا میں کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا، کسی کو مارا ہوگا۔ پس ان مظلوموں میں سے ایک آئے گا اور بقدر اپنے حق کے اس کی نیکیاں لے لے گا۔ اسی طرح دوسرا اور تیسرا آئے گا۔ اور اپنے اپنے حق کے مطابق نیکیاں لے لے گا۔ اب اگر اس کے پاس نیکیاں ختم ہوگئیں تو ان مظلوموں کے گناہ اس کے سر پڑیں گے۔ پھر وہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ (مسلم شریف صـ۳۲۰ ج ۲)

کسی کا حق دبالینا (ظلم اور ظالم)

قرآن حکیم | ہرگز ایسا خیال نہ کرو کہ اللہ تعالےٰ ظالموں کے کاموں سے غافل ہے۔ حقیقت یہ ہے اللہ تعالےٰ نے ان کا معاملہ اس دن کے لئے مؤخر کر رکھا ہے۔ جس دن لوگوں کا حال یہ ہوگا (شدّتِ خوف و دحشت کے باعث) آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ حیران۔ پریشان۔ سر اٹھائے ہوئے دوڑ رہے ہوں گے۔ نگاہیں ہوں گی کہ لوٹ کر آنے والی نہ ہوں گی۔ (آنکھیں) پتھرائی ہوئی ہوں گی۔ اور دل اُڑ رہے ہوں گے۔

(سورہ ۱۴۔ ابراہیم آیت ۴۲ : ۴۳)

اور مت جھکو ان کی طرف جو ظالم ہیں۔ پھر تم کو لگے گی آگ اور تم بھی آتش جہنّم کی لپیٹ میں آجاؤ گے۔ (سورۂ ۱۱ ۔ ھود آیت ۱۱۳)

احادیث | اگر کوئی شخص بالشت بھر زمین بھی کسی کی لے لے۔ تو سانوں زمین کا طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔ یہ ظالم اس کے وزن سے دھنستا چلا جائے گا۔ (بخاری شریف ص۳۳۲ ج۱)

اگر کسی نے پیلو کی ایک شاخ بھی جھوٹی قسم سے جھپٹ لی۔ تو دوزخ کی آگ اس کے لئے لازم ہو گئی۔ (ص۸۰ ج ا مسلم شریف)

ظلم قیامت کے دن گہری تاریکی ہو گا۔ (بخاری شریف ص۳۳۱)

مظلوم کی بد عا سے بچو۔ کیونکہ اللہ کے اور مظلوم کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔ (ص۳۳۱ بخاری شریف)

غیبت چغل خوری اور تہمت

قرآن مجید | جو لوگ عیب لگاتے ہیں پاکدامن بے خبر ایمان والیوں پر، ان کے لئے پھٹکار ہے دنیا اور آخرت میں۔ اور ان کے لئے ہے بڑا عذاب۔ (ج ۱۸ سورۃ النور ع ۳)

اور برا نہ کہو پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کو۔ کیا اچھا معلوم ہوتا ہے تم میں کسی کو کہ کھائے گوشت اپنے بھائی کا جو مردہ ہو۔ سو گھن لگتا ہے تم کو اس سے۔ (ج ۲۶ ع ۲ سورہ حجرات)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔
چغل خور جنّت میں نہیں داخل ہوگا۔ (بخاری ص۸۹۵)
ارشاد ہوا تمھیں معلوم ہے غیبت کس کو کہتے ہیں۔
صحابہ کرام۔ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔ پس پشت کسی کو برائی

سے یاد کرنا۔
ایک صحابی۔ یارسول اللہ اگر اس میں وہ بات ہو جو
میں کہہ رہا ہوں۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔ غیبت تو یہی ہے ورنہ
بہتان باندھ رہے ہو۔ (مسلم شریف ج ۲ ص۳۲۲)

گالی گلوچ۔ لڑائی۔ جھگڑا

احادیث | مسلمان سے گالی گلوچ فسق ہے۔ اور جنگ کرنا کفر ہے۔
(بخاری شریف ص۸۹۳)

جو ہمارے مقابلہ پر ہتھیار اُٹھائے وہ ہم میں سے نہیں۔
(بخاری شریف ص۱۱۱۵، ص۱۰۴۷)

مسلمان پر لعنت کرنا اس کو قتل کرنے کے برابر ہے۔ اور
جس نے کسی مسلمان پر کفر کی تہمت لگائی گویا قتل کر ڈالا۔
(بخاری شریف ص۹۰۱، ص۹۸۴)

سوال اور بھیک | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
بلا ضرورت سوال کرنے والا قیامت کو خدا کے سامنے اس حالت میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت کا ٹکڑا بھی نہ رہے گا۔ (مسلم شریف ص۳۳۳)

جو شخص اپنا مال بڑھانے کے لئے لوگوں سے سوال کرے گا وہ آگ کی چنگاریاں جمع کر رہا ہے۔ اب چاہے زیادہ کرے یا کم۔ (مسلم شریف ص۳۳۳)

مسکین وہ نہیں جس کو ایک ایک دو دو لقمہ یا ایک ایک چھوارہ در در دھکیلتا رہے۔ مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ ہو بھی نہیں (کہ سوال سے بے نیاز ہو) اور اپنی صورت سے بھی اپنی ضرورت کو نہیں ظاہر ہونے دیتا کہ (بلا طلب لوگ دیدیں) اور یہ بھی نہیں کہ کھڑا ہو کر مانگے۔ (بخاری شریف ص۲۰۰)

جو سوال سے بچنا چاہے گا خدا اس کو سوال سے بچائے رکھے گا۔ جو مخلوق سے بے نیاز ہونے کی کوشش کرے گا خدا اس کو اپنے فضل سے مخلوق کی طرف سے بے نیاز کر دے گا۔ صبر سے بڑھ کر برکت اور وسعت والی کوئی عطا کسی انسان کو نہیں ملی۔

(بخاری شریف ص۱۹۹)

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ لکڑیاں چن کر فروخت کرنا بھیک مانگنے سے بدرجہا بہتر ہے۔ (بخاری ص۱۹۹)

احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند جواہر پارے

سیدالانبیاء صلوات اللہ علیہم اجمعین نے فرمایا۔

جب بھی صبح کا آفتاب طلوع ہوتا ہے انسان کے ہر جوڑ پر ایک صدقہ واجب ہوجاتا ہے۔ (جس کی ادائیگی کی شکل یہ ہے کہ) اپنی سواری پر کسی کو بٹھالیا یا اُس کا بوجھ اٹھالیا۔ اس طرح کی اِمداد کرنا صدقہ ہے۔ ہر قدم جو امداد کے لئے اٹھے صدقہ ہے۔ راستہ بتانا صدقہ ہے۔ تکلیف دینے والی چیز (مثلاً کانٹا، چھلکا، اینٹ یا پلیدی) کا راستہ سے ہٹادینا صدقہ ہے۔ (بخاری شریف ص۴۱۹، ص۴۰۳)

انصاف کرنا صدقہ ہے۔ (بخاری شریف ص۴۰۲، ص۴۰۳)

اللہ کے یہاں سب سے بہتر وہ ہیں جو اخلاق میں سب سے بہتر ہیں۔ (ترمذی شریف۔ ابواب البر ص۲۱ ج۲)

قیدی کی گردن چھڑاؤ، بھوکوں کو کھلاؤ، مریضوں کی عیادت کرو۔ (بخاری شریف ص۴۲۶، ص۸۰۰، ص۸۰۹ وغیرہ۔)

جہاں بھی ہو خدا سے ڈرتے رہو۔ کوئی برائی ہوگئی تو فوراً کوئی نیکی (توبہ) کرلو۔ یہ برائی کو مٹادے گی۔ اور لوگوں سے اچھے اخلاق کا برتاؤ رکھو۔

(باب ماجاء فی معاشرۃ الناس، ترمذی شریف ص۲۰ ج۲۔)

ہر مسلمان پر خیرات واجب ہے۔ اگر دولت نہ ہو تو قوّت بازو سے کمائے۔ اپنا خرچ خود برداشت کرے۔ دوسرے کی مدد کرے۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو کسی مصیبت زدہ کی امداد کرے۔ (کمزور کو سہارا دے) اگر یہ بھی نہ کر سکے تو کسی کو اچھی بات بتادے۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو شر (بدی) سے رک جائے۔ اس کے لئے یہی صدقہ ہے۔

(بخاری شریف ص۸۹۰۔ ص۱۹۴۔ ص۲۸۲)

اللہ اور قیامت کے دن پر جس کا ایمان ہو، چاہیئے کہ وہ اپنے مہمان کی تواضع کرے۔ اللہ اور قیامت پر ایمان لانے والا شخص اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے۔ اور جس کو اللہ کا اور روزِ جزا کا یقین ہو وہ کہے تو اچھی بات کہے، ورنہ خاموش رہے۔

(بخاری شریف ص۹۵۹، ص۸۱۹، ص۹۰۷)

رات کو عبادت بھی کرو اور آرام بھی۔ دن کو روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو۔ کیونکہ تمہارے بدن کا تم پر حق ہے۔ تمہاری آنکھوں کا تم پر حق ہے۔ تمہارے ملاقاتی کا بھی تم پر حق ہے۔ تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔ (ص۵۹۰ وغیرہ بخاری شریف)

راستوں پر مت بیٹھا کرو۔ اور اگر اس کے سوا اور کوئی جگہ ہی نہ ملے۔ تو راستہ کے حقوق ادا کرتے رہو۔ (یعنی) نگاہ نیچی رکھو۔ کسی کو تکلیف مت دو۔ سلام کا جواب دو۔ اچھی باتیں بتاؤ۔ بُری بری باتوں سے روکو۔ (ص۹۰۰ بخاری شریف)

خدا تمہاری صورتوں اور تمہاری دولتوں کو نہیں دیکھتا۔

بلکہ تمھارے دلوں کو دیکھتا ہے اور تمھارے کاموں کو۔

(مسلم شریف صـ۳۱۷ ج ۲)

ساتِ آدمی وہ ہیں کہ قیامت کے دن عرشِ رحمان ان پر سایہ فگن ہوگا۔

(۱) انصاف کرنے والا حاکم۔

(۲) صالح نوجوان۔

(۳) تنہائی میں خدا کو یاد کرکے رونے والا شخص۔

(۴) وہ شخص جس کا دل ہر وقت مسجد میں لگا رہتا ہے۔

(۵) وہ دو آدمی جنہوں نے خدا کے لئے آپس میں محبت کی ہو۔ (۶) وہ پاک دامن جس نے خدا سے ڈر کر علیحدگی اختیار کی ہو۔ جبکہ کسی حسینہ جمیلہ شریف عورت نے اس کو اپنی طرف بلایا ہو۔

(۷) وہ شخص جس نے خدا نام پر صدقہ کرنے میں اس قدر پوشیدگی سے کام لیا ہو کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہوئی ہو۔

(بخاری شریف صـ۱۰۰۰، عـ۹۱)

ارشاد ہوا۔ میں تم سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں۔ لیکن روزہ بھی رکھتا ہوں، افطار بھی کرتا ہوں۔ رات کو تہجد بھی پڑھتا ہوں۔ سوتا بھی ہوں۔ نکاح بھی کرتا ہوں۔ پس جو میری سنّت سے منہ موڑے وہ میرا نہیں ہے۔ (صـ۵۶ بخاری شریف)

هذا. وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین. اللهم اغفر لمؤلفه ولمن سعی فی اشاعته وانفق علیها واعان ولآباءهم وامهاتهم واقاربهم اجمعین.

العبد المفتقر الی رحمة المنان۔ محمد میاں خادم الافتاء ودرس الحدیث بالمدرسة الامینیة بدهلی. هند

۱۷ ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ ، ۳۱ مئی ۱۹۷۲ء

"آج مکمل کر دیا میں نے تمہارے لئے تمہارے
دین کو اور پورا کر دیا تم پر اپنا احسان اور
پسند کر لیا تمہارے لئے اسلام کو
بطور دین کے" (سورۂ مائدہ، آیۃ ۳)

پہلی بار دسمبر ۱۹۷۶ء دو ہزار

جناب مولانا محمد بن اسمٰعیل نانا
جوہانسبرگ - جنوبی افریقہ
کے تعاون سے شائع ہوئی
قیمت:- چار روپے